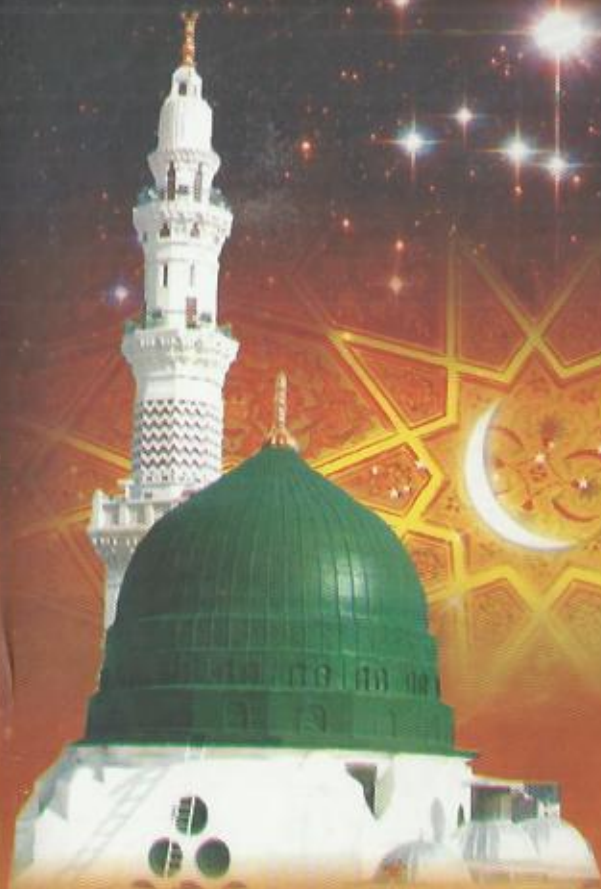


شماره صحیح اسلام



بیاد

مجله اسلامی و اجتماعی
 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
 مدیر عامل: مولانا محمد رفیع

تقریرات
 علامہ سید محمد رفیع رضوی
 مدیر عامل: مولانا محمد رفیع رضوی

مجله اسلامی و اجتماعی
 مولانا محمد رفیع رضوی

رضوان کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قرآن وحدیث اور فریقین کی معتبر مذہبی و تاریخی کتب سے
صحابہ کرام خصوصاً حضرات خلفاء راشدین علیہم الرحمۃ والرضوان
کے فضائل و مناقب دینی و ملی خدمات اور انکی سوانح حیات

شانِ صحابہ

تصفیہ و لطین

قدوس اسرار العزیز
شرح بخاری علامہ محمد رفیع رحمہ اللہ
امیر شریعت اسلامیہ مولانا سید محمد رفیع رحمہ اللہ

بالاتمام
صاحبزادہ محمد طاہر بن سید محمد رفیع
ناظم ادارہ احیاء کتب لاهور



رضوان کتب خانہ

گنج بخش روڈ لاہور

Cell: 0300-8038838, 0300-9492310
042-37114729

وَاحْسِنُ فَنَالِمُ تَرْقُطُ عَيْنِيهَا

اے محبوب (مناذیر ہنس) آپ سے زیادہ میں میری آنکھ نے کبھی دیکھا ہی نہیں

وَلَجَّامُنَاكَ مِرْتَلِدَا النِّسَاءِ

اور آپ سے زیادہ حُسن و جمال کا پیکر کسی ماں نے جنما ہی نہیں

خَلَقْتَ مَبْرَأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ

آپ ہر عیب سے مبرا اور پاک پیدا کیے گئے ہیں

كَأَنَّكَ خَلَقْتَ كَمَا نَشَاءُ

گویا کہ جیسے آپ چاہتے تھے دیا ہی آپ کو پیدا کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	 شان صحابہ رضی اللہ عنہم
مصنف	 امیر اہلسنت شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد
	 رضوی محدث لاہوری قدس سرہ العزیز امیر شیخ الحدیث
	 دارالعلوم حزب الاحناف لاہور
پروف ریڈنگ	 مولانا محبت علی قادری، عبدالرحمن رضا قادری
	 دارالعلوم حزب الاحناف لاہور
کمپوزنگ	 عزیز کمپوزنگ سنٹر لاہور 0344-4996495
باہتمام	 صاحبزادہ پیر سید مصطفیٰ اشرف رضوی (ایم اے)
	 ناظم اعلیٰ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور
صفحات	 256
ناشر	 شعبہ تبلیغ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور
قیمت	 225
	ملنے کے پتے

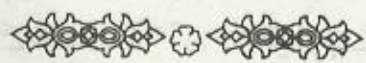
رضوان کتب خانہ

گنج بخش روڈ لاہور 042-7114729

انتساب

اپنے جد امجد قدوة السالکین زبدة العارفین راس المحدثین امام المفسرین
 شیخ المشائخ خلیفہ اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت حضرت علامہ ابو محمد سید
 محمد دیدار علی شاہ رضوی قادری فضل رحمانی محدث الوری قدس سرہ
 السبحانی..... اور اپنے والد محترم خلیفہ اعلیٰ حضرت استاذ العلماء امام
 اہلسنت سید المحدثین حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد رضوی قادری
 اشرفی علیہ الرحمۃ بانیان مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف کے نام.....
 جنہوں نے اپنی پوری زندگی دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت علوم عالیہ
 اسلامیہ قرآن و سنت کی تدریس اور پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے
 قیام اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ کے لیے صرف فرمائی۔

(سید محمود احمد رضوی)



فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات
17	پیش لفظ
18	سلام
19	فضائل خلفائے راشدین
21	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صدقے بوڑھے مسلمانوں کی بخشش
24	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت
25	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ایک ہی مٹی سے بنائے گئے
26	خطبے میں خلفائے کرام کے نام کی ابتداء
26	حضور رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ
27	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور علی کا ایمان
28	خلفائے اربعہ صاحب ولایت تھے
29	چار کا عدد
29	تین سے محبت
30	چاروں خلیفہ کا مرتبہ برابر کہنا خلافت سنت ہے
31	صحابہ کرام کا مرتبہ و مقام
32	امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں رسول اللہ کا مقام
32	خلافت راشدہ کی تعریف
32	صحابہ کرام کو برا کہنے والوں کے پیچھے نماز ممنوع ہے
33	صحابہ کرام اہل بیت نبوت
33	صحابہ کرام
34	صحابہ کرام کی فضیلت و عظمت
35	حضور رضی اللہ عنہ کی صحابہ سے محبت
35	سلامتی کی یہ ہے کہ صحابہ کے مشاجرات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے
35	صحابہ کرام کو بدگوئی کا نشانہ نہ بناؤ

صفحہ نمبر	عنوانات
36	صحابہ کی لڑائیاں
36	رفیق نبوت
38	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ بعد وصال بھی حضور کے ساتھ ہیں
38	حضور رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ مطلق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں
39	علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ
40	شہزادہ کوئین امام حسین رضی اللہ عنہ
40	اہل بیت نبوت
42	اہل بیت کرام
44	صحابہ و اہلسنت کا احترام اور ان سے محبت ضروری ہے
44	محبت اہل بیت سرمایہ اہلسنت ہے
44	خاتمہ بالخیر کیلئے اہل بیت سے محبت ضروری ہے
45	اولیاء اللہ کے فیض ہدایت کا مرکز علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات بالا ہے
45	قطب و ابدال و اوداد جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تربیت حاصل کرتے ہیں
45	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اہلسنت ہونے کی شرط ہے
46	حضرت علی کے بعد فیض ربانی کا منصب عظیم حسنین کریمین کو حاصل ہوا
46	آئمہ اثناعشر فیض و ہدایت کا سرچشمہ ہیں
46	ائمہ اثناعشر کے بعد فیض ربانی کا منصب حضور غوث پاک کے سپرد ہوا
48	یزید پلید
49	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
51	ہر آن نئی شان ہے انداز بیان کی
51	اصحاب بدر
52	غزوہ بدر ۲ھ
54	بیعت رضوان کا مختصر واقعہ
57	غزوہ خیبر ۶ھ
58	غزوہ احد شوال ۳ھ

صفحہ نمبر	عنوانات
95	خلافت راشدہ کی مدت
95	خلافت راشدہ کا دور اسلامی تاریخ کا روشن باب ہے
96	خلفائے راشدین کے درجات
96	امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت
98	عشرہ مبشرہ
99	اصدق الصادقین امیر المؤمنین خلیفہ بلا فصل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
100	صدیق اکبر حق و صداقت کی مشعل تاباں ہیں
101	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مملکت اسلامی کی بنیادوں کو مستحکم کیا
102	سیدنا صدیق اکبر رحمہ اللہ نبوت کے محافظِ اول ہیں
102	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ بہادر تھے
102	جمع قرآن
103	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام کو حیات نو بخشی
104	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے عاشق صادق تھے
104	جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات
105	عمر رضی اللہ عنہ نے کہا صدیق ہم تمہاری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے
106	پہلوئے مصطفیٰ میں بنا آپ کا مزار
106	نگاہ نبوت میں صدیق اکبر کا مرتبہ
107	حیات صدیقی ایک نظر میں
109	اکابر صحابہ کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشادات
109	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اقوال
111	امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ
111	حضور ﷺ نے عمر کو خدا سے مانگا
112	فاروق اعظم عاشق رسول ﷺ تھے
113	عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت ترقی اسلام کے لیے وقف کر دی تھی
113	دور فاروقی اسلامی فتوحات کا دور تھا

صفحہ نمبر	عنوانات
61	صحابہ کرام قرآن کی روشنی میں
61	مہاجرین و انصار
62	ہجرت حبشہ
62	ہجرت مدینہ
63	انصار مدینہ
63	انصار و مہاجرین مومن کامل تھے
63	مہاجرین کرام قطعی جنتی ہیں
64	مہاجرین و انصار کا خاتمہ ایمان پر ہوا
65	خلفاء اربعہ مہاجرین اگلی خلافت، خلافت راشدہ ہے
67	انصار فلاح یافتہ ہیں
68	مہاجرین و انصار پر طعن جائز نہیں
68	مسلمان کیلئے صحابہ کرام کی فضیلت کا اعتقاد لازمی ہے
69	مسلمان کی پہچان
69	مال فنی کے متعلق
70	امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ
71	خلفائے ثلاثہ کی خلافت حق ہے
71	صحابہ کرام کے متعلق قرآنی تصریحات
74	اسلام سے قبل صحابہ کرام میں عداوت تھی
75	اسلام کے بعد صحابہ میں عداوت باقی نہ رہی
75	مخلصین صحابہ میں کثیر تعداد میں تھے
75	تینوں خلفاء مومن کامل تھے
77	صحابہ کے دلوں میں ایمان رچ بس گیا
70	خلفائے اربعہ..... غزوہ بدر میں
91	اصحاب بدر
94	خلافت و امامت..... خلفائے راشدین

صفحہ نمبر	عنوانات
132	دور عثمانی ایک نظر میں
133	حضرت امام ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ارشادات
135	امیر المومنین مولائے کائنات علی المرتضیٰ خلیفہ چہارم
135	حضرت علی رضی اللہ عنہ کعبہ میں پیدا ہوئے آغوش نبوت میں تربیت پائی
135	شان علی رضی اللہ عنہ
136	حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی تربیت کا شاہکار ہیں
136	حضرت علی رضی اللہ عنہ ایثار و قربانی کا نمونہ تھے
137	مسند خلافت پر جلوہ افروزی
137	حضرت علی رضی اللہ عنہ پیشوائے طریقت ہیں
137	خلفائے ثلاثہ کے آپ مشیر تھے
138	بستر رسول پر آرام کرنے کا شرف
138	حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں شریک ہوئے
139	فتح خیبر کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا
139	حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے فرمایا
139	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد
140	شہادت
140	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات
142	خلیفہ راشد سیدنا امام حسن علیہ السلام
144	(۵) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ
145	(۶) حضرت طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ
145	(۷) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ
146	(۸) عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
147	(۹) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
147	(۱۰) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
148	صدیق و فاروق کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا

صفحہ نمبر	عنوانات
114	اسلام میں نظام حکومت کا دور عہد فاروقی سے شروع ہوا
115	ان کا عدل ضرب المثل تھا
115	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن جمع ہوا
116	آپ نے علانیہ ہجرت کی
116	حضرت عمر رضی اللہ عنہ غزوات میں شامل ہوئے
116	وفات
117	نگاہ نبوت ﷺ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ
118	علی و فاروق رضی اللہ عنہ کی باہم محبت
118	ارشادات فاروقی اعظم
119	حیات فاروقی ایک نظر میں
121	خلیفہ سوم ذوالنورین عثمان غنی امیر المومنین
121	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین ہے
122	جمع و ترتیب قرآن کا شرف جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ملا
122	حضرت امام ذوالنورین کا انتخاب
123	عثمان رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے
123	خلافت عثمانی اسلامی فتوحات کا دور تھا
124	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور کے جانثار تھے
126	امام ذوالنورین مہاجر اہل ہیں
126	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوسرے حضور ﷺ سے جنت خریدی
127	قرآن کی جمع و تدوین اور اس کی اشاعت کا شرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا
127	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تب وحی تھے
128	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت عابد و زاہد تھے
129	بیت رضوان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
131	غور کیجئے
131	فضائل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

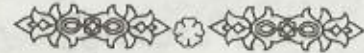
صفحہ نمبر	عنوانات
172	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رشتہ داری
173	خصوصیات امام ذوالنورین رضی اللہ عنہ
173	پہلی خصوصیت داماد رسول ہونا
174	ہبید ثالث کا اعتراف
174	شیر خدا کا ارشاد
175	بلاشبہ آپ نے رسول اکرم ﷺ کی دامادی کا شرف دومرتبہ حاصل کیا
176	اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی رَقِیَّةَ
177	حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں
181	آیت تطہیر
185	ازواج مطہرات..... امہات المؤمنین
186	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ و مقام
187	حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا
188	حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا
189	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
190	وفات
190	فضائل
192	علمی زندگی
193	حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ
193	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
194	حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا
194	حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا
195	ام الماکین حضرت زینب بنت حزمہ رضی اللہ عنہا
195	حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا
195	حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا
196	حضرت صفیہ اسرائیلیہ رضی اللہ عنہا

صفحہ نمبر	عنوانات
150	میدان کارزار میں صدیق
150	معرکہ بدر
150	غزوہ احد
151	واقعہ حدیبیہ
152	حدیبیہ کی صلح
152	خیبر
152	فتح مکہ
153	امارت حج
154	آیہ سبحان فی بیعت رضوان
154	ایک مقدس کتاب
155	عشق رسول
156	پنچہ مجرب
157	ایک اہم واقعہ
158	حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی گرفتاری
158	رسول کا ہاتھ عثمان کا ہاتھ
158	اس بیعت کی بارگاہِ الہی میں مقبولیت
161	آیہ رضوان
162	تفسیر آیت
166	سیدنا عثمان اور بیعت رضوان
166	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت
166	رسول کا ہاتھ عثمان کا ہاتھ
167	عثمان میرے بغیر طواف نہیں کریں گے
170	سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات
170	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں میرے برابر ہیں
171	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مہاجرِ اول ہیں

صفحہ نمبر	عنوانات
197	حضور ﷺ کی اولاد مبارک
197	(۱) حضرت قاسم رضی اللہ عنہ
197	(۲) حضرت زینب رضی اللہ عنہا
197	(۳) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا
198	(۴) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا
198	(۵) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا
198	(۶) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ
199	حضور ﷺ کی چار صاحبزادیوں کے ثبوت
201	حقائق و بصائر
201	رفیق قبر و غار
201	سیدنا امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کا درجہ
203	تین چاند
203	روضہ اقدس
203	حضرت صدیق و فاروق کی عظیم و جلیل فضیلت
204	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی نظر میں
206	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے باریت کو اٹھایا
208	بوقت ہجرت حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خدا کے حکم سے ساتھ لیا تھا
208	سیدنا امام جعفر صادق نے فرمایا ابوبکر کیا اچھے صدیق ہیں
209	صدیق اکبر کی رفاقت نے کفار کے لوہے ٹھنڈے کر دیئے
210	صدیق اکبر سے حضور ﷺ کی خوش ہوئے اور آپ نے دعا دی
210	رفیق فی الغار
211	صدیق اکبر امام الاتقیاء ہیں
211	امام جعفر صادق کا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے متعلق ارشاد گرامی
212	سیدنا علی نے ایک گشتی حکم جاری فرمایا
212	حضرت امام باقر کا فیصلہ

صفحہ نمبر	عنوانات
212	شیر خدا علی مرتضیٰ کا فیصلہ
213	صدیق اکبر اور حیدر کرار کے درمیان محبت کا ایک نمونہ
214	حضرت سیدۃ النساء کا جہیز
216	حضرت اسماء بنت عمیس
216	سیدنا صدیق اکبر بیمار ہوئے
216	جو صدیق کو صدیق نہ سمجھے گا وہ جھوٹا ہے
217	جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل سمجھے
218	انصار نے اسلام کی بے مثال مدد کی
218	تمام اصحاب رسول کامل ایمان تھے
218	حسین مکرین کو حضرت عثمان کا پہریدار مقرر کیا
218	حضرت سیدہ شہر بانو کا نکاح امام حسین سے
219	حضرت فاروق اعظم شیر خدا کی نظر میں
220	فاروق اعظم میرے مخلص دوست ہیں
220	حضرت فاروق مسلمانوں کا مرجع ہیں
221	دوسرا مشورہ غزوہ فارس کے متعلق
223	حضرت عمر کا دین اللہ کا دین اور ان کی جماعت اللہ کا لشکر ہے
224	شرف دامادی
226	حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ تھیں
230	تصریحات
230	حضرت علی کی خلفائے ثلاثہ سے دوستی و محبت
230	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منصوص نہ تھی
231	معصوم صرف انبیاء کرام ہیں
232	صرف محبت باعث نجات نہیں
234	علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک اہم فیصلہ
235	سیدنا امام حسین اور امیر معاویہ

239	حضرت رقیہ و ام کلثوم
242	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق
244	جناب امیر کے تلوار نہ اٹھانے کی کیا وجہ تھی؟
247	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس عصاء موسیٰ بھی تھا!
247	جناب امیر کی ذاتی طاقت
248	باطنی وجہ
249	تلوار نہ اٹھانے کی سیاسی وجہ
249	جناب امیر نے تلوار نہ اٹھا کر رسول خدا کے کس حکم کی اطاعت کی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ و نصلى على رسولہ الکریم

یہ اوراق اہلسنت و جماعت کے مسلک حق کے آئینہ دار ہیں۔ تحریر و ترتیب محدث لاہور حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی رحمہ اللہ مدیر رضوان کی ہے۔ مقصود صرف حضور سید المرسلین خاتم النبیین محبوب رب العالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء کے مخلص جانثاروں کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت و محبت پیش کرنا ہے۔ جنہیں یاران نبی کے مقدس نام سے پکارا جاتا ہے اور جو امت کے امام و رہبر دین اسلام کے اولین مخاطب مبلغ و ناشر اور ساری کائنات کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت سے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں اور نہ بحث و مباحثہ۔ یہ تو عقیدت و محبت کے گلہائے رنگارنگ ہیں۔ جنہیں دلائل و براہین سے مزین کیا گیا ہے۔ اکثر مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبہ و مقام جلالت شان اور ان کے مخلص مومن و مسلمان ہونے کا ثبوت قرآن و سنت اور فریقین کی معتبر مذہبی و تاریخی کتب کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ جن سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

اہلسنت و جماعت کا مذہبی و ملی فرض ہے کہ وہ حق کی آواز کو گھر گھر پہنچانے کے لیے اس کتاب کی اشاعت و ترویج میں حصہ لیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے اپنی عقیدت و محبت کا عملی ثبوت دیں۔ یہ کتاب وقت کی اہم پیشکش اور دین کی نہایت ہی اہم خدمت ہے۔ صفحہ نمبر ۱ سے ۲۲ تک اعلیٰ حضرت مولانا امام شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ کی تالیفات سے مرتبہ مضمون بطور تبرک نذر قرار دینا ہے۔

صاحبزادہ پیر سید مصطفیٰ اشرف رضوی
امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

لاکھوں سلام

خاص اس سابق سیرِ قربِ خدا
 اوجہِ کاملیت پر لاکھوں سلام
 سایہ مصطفیٰ مایہِ اصطفاء
 عز و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام
 یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل
 ثانی اثین ہجرت پر لاکھوں سلام
 اصدق الصادقین سید المتقین
 چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام
 وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر
 اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
 فاریقِ حق و باطل امامِ الہدی
 تیغِ مسلولِ شدت پہ لاکھوں سلام
 ترجمانِ نبی ہم زبانِ نبی
 جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام
 زلبہ مسجدِ احمدی پر درود
 دولتِ حبشِ عُمرت پر لاکھوں سلام
 دُرِ منشورِ قرآن کی سلکِ بھی
 زوجِ دو نورِ عفت پہ لاکھوں سلام
 یعنی عثمان صاحبِ قیصِ ہدی
 حلہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام
 اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز

فضائلِ خلفاءِ راشدین

(اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجددِ مائتہ حاضرہ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ)

چاروں خلفاء میں سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کی منقبت میں اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:
 صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کبھی بت کو سجدہ نہ کیا۔ چار برس کی عمر میں آپ کے باپ ابوقحافہ بت خانے میں لے گئے اور کہا:

هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الشَّمُّ الْعُلَى فَاسْجُدْ لَهُمْ
 ”یہ ہیں تمہارے بلند و بالا خدا انہیں سجدہ کرو۔“

جب آپ بت کے سامنے تشریف لے گئے، تو فرمایا! میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا دے میں نہنگا ہوں، مجھے کپڑا دے، میں پتھر مارتا ہوں، اگر تو خدا ہے تو پھر اپنے آپ کو بچا۔ وہ بت بھلا کیا جواب دیتا، آپ نے ایک پتھر اس کے مارا۔ جس کے لگتے ہی وہ گر پڑا، اور قوتِ خدا داد کی تاب نہ لا سکا۔ باپ نے یہ حالت دیکھی۔ انہیں بہت غصہ آیا۔ انہوں نے تھڑرخسار مبارک پر مارا۔ اور وہاں سے آپ کی ماں ام الخیر کے پاس لائے۔ سارا واقعہ بیان کیا۔ ماں نے کہا! اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ جب یہ پیدا ہوا تھا تو غیب سے آواز آئی تھی کہ:

يَا أَمَّةَ اللَّهِ بِالتَّحْقِيقِ أَبَشَرِي بِالْوَلَدِ الْعَتِيقِ اسْمُهُ فِي السَّمَاءِ
 الصِّدِّيقُ لِمُحَمَّدٍ صَاحِبٌ وَرَفِيقٌ۔ (مسند احمد)

”صدیق کے فضائل سے ایک یہ ہے کہ ان کو کبھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک نہ ہوا۔“

امام عبدالوہاب شرعی ”الیواقیت والجاہر“ میں فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اَتَدَّكُرُ یَوْمَ یَوْمٍ کیا تمہیں اس دن والا دن یاد ہے عرض کی ہاں یاد ہے، اور یہ بھی یاد ہے کہ اس دن سب سے پہلے حضور ﷺ نے یلی فرمایا تھا۔
ان روایات کو نقل کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ روز الست سے روز ولادت اور روز ولادت سے روز وفات اور روز وفات سے ابدال آباد تک سردارِ مسلمین ہیں۔

یوں ہیں سیدنا مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس بارے میں ایک خاص رسالہ ہے۔ (تذریۃ الکلامۃ الخیدریۃ عن وصیۃ عہد الجہلیۃ (المملووظ ۱۳۳۸ھ ہجری) حصہ اول صفحہ ۱۰۹۔ مرتبہ شہزادہ اعلیٰ حضرت محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب مطبوعہ حسنی پریس محلہ سوداگراں بریلی شریف)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صدقے بوڑھے مسلمانوں کی بخشش

جنت میں جوانوں کے سردار امام حسن ؑ اور امام حسین ؑ ہوں گے اور بوڑھے ہو کر جو انتقال کریں گے۔ ان کے سردار حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ ہوں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے متعلق اعلیٰ حضرت بریلوی کا ارشاد ہے کہ ”ابو بکر صدیق (جن کی نسبت حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیروی کو اپنی امت کی مغفرت کے لیے وسیلہ کیا کہ الہی ابو بکر کا صدقہ میری امت کے بوڑھوں کو بخش دے۔) (السید الاچہ فی فتاویٰ افریقیہ صفحہ ۱۵۰-۱۵۱ مطبوعہ اہلسنت پریس بریلی شریف)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق کا ایمان

المسفوظ جلد سوم صفحہ ۵۶ پر امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم کے ایمان لانے کے

”اے اللہ کی سچی لونڈی! تجھے مژدہ ہو، اس آزاد بچے کا آسمانوں میں اس کا نام صدیق ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کا یار و رفیق ہے۔ میں نہیں جانتی کہ وہ محمد (ﷺ) کون ہیں اور کیا معاملہ ہے۔“

اس وقت سے صدیق اکبر کو کسی نے شر کی طرف نہ بلایا۔ یہ روایت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود مجلس اقدس میں بیان کی۔ جب یہ بیان کر چکے، جبریل امین حاضر بارگاہ ہوئے۔ (علیہ السلام) اور عرض کی:

صَدَقَ أَبُو بَكْرٍ وَهُوَ الصِّدِّيقُ۔

”ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا اور وہ صدیق ہیں۔“

یہ حدیث عوالی الفرش الی معاش العرش میں ہے اور اسے امام قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں بھی ذکر کیا ہے۔

جب سے (حضرت ابوبکر) خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کسی وقت جدانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ بعد وفات بھی پہلوئے اقدس میں آرام فرماہیں۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دستِ اقدس میں حضرت صدیق علیہ السلام کا ہاتھ لیا اور بائیں دستِ اقدس میں حضرت عمر علیہ السلام کا ہاتھ لیا اور فرمایا:

هَكَذَا بُعِثَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

”ہم قیامت کے روزیوں ہی اٹھائے جائیں گے۔“

امام اہلسنت و جماعت، سیدنا ابوالحسن اشعری قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

لَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ بَعِيْنِ الرِّضَا مِنَ اللَّهِ تَعَالَى -

”ابوبکر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے منظور رہے۔“

ابن عساکر، امام زہری تلمیذ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

مِنْ فَضْلِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهُ لَمْ يَشْكُ فِي اللَّهِ سَاعَةً.

بیان میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس وقت ایمان لائے۔ جب کل مرد و عورت ۳۹ مسلمان تھے۔ آپ چالیسویں مسلمان ہیں۔ اسی واسطے آپ کا نام ”تتم الاربعین“ ہے۔ یعنی چالیس مسلمانوں کے پورا کرنے والے، جب آپ مسلمان ہوئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔

”اے نبی تجھ کو کافی ہے اللہ اور اس قدر لوگ جو اب تک مسلمان ہو گئے۔“

کفار نے جب سنا، تو کہا:

آج ہم اور مسلمان آدھوں آدھ رہ گئے ہیں۔ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے، عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ حضور کو خوشخبری ہو کہ آج آسمانوں پر عمر کے اسلام لانے پر شادی رچائی گئی ہے۔

آپ کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ کفار ہمیشہ سرکار کی ایذا رسانی کی فکر میں رہتے۔ آیت کریمہ میں نازل ہوئی۔

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔

”اللہ تمہارا حافظ و ناصر ہے، کوئی تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔“

اس وقت تک یہ بھی مسلمان ہوئے تھے، ابو جہل لعین نے اعلان کر دیا کہ جو شخص اُس کو اس قدر انعام دوں گا، ان کو جوش آیا، تلوارنگی کر لی، اور قسم کھائی کہ اس کو نیام میں نہ کریں گے۔ جب تک کہ معاذ اللہ اپنے ارادے کو پورا نہ کر لیں گے۔ معارج میں ہے کہ انہوں نے تو قسم یہ کھائی اور ادھر رب العزت جل جلالہ نے قسم یہ فرمائی کہ یہ تلوار نیام میں نہ ہوگی، تاوقتیکہ کفار کو اسی سے قتل نہ کریں، جارہے تھے راستہ میں نعیم بن عبد اللہ صحابی ملے۔ دیکھا نہات غصہ کی حالت میں سرخ آنکھیں، ننگی تلوار

لیے ہیں۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ نعیم بن عبد اللہ نے کہا، بنی ہاشم کے حملوں سے کیسے بچو گے، انہوں نے کہا شاید تو بھی مسلمان ہو گیا ہے۔ تجھی سے شروع کروں۔ نعیم بن عبد اللہ نے فرمایا: ”میری کیا فکر کرتے ہو۔ اپنے گھر میں تو جا کر دیکھو، تمہارے بہن بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے۔ ان کو غیظ آیا۔ سیدھے بہن کے مکان پر گئے، دروازہ بند پایا۔ اندر سے پڑھنے کی آواز آرہی تھی۔ ان کی بہن کو حضرت خباب رضی اللہ عنہ، سورہ طہ شریف سکھا رہے تھے، آواز اجنبی، خیر آواز دی، ان کی بہن نے صحیفہ کو کسی گوشہ میں چھپا دیا۔ اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ ایک کوٹھری میں چھپ گئے۔ دروازہ کھولا گیا۔ آتے ہی بہن سے پوچھا تو دین سے پھر گئی؟

اسلام میں رافضیوں کا ساتھیہ کہاں؟ (بہن نے) صاف کہہ دیا، میں نے سچا دین اسلام قبول کیا۔ خیر انہوں نے تلوار سے تو نہیں مارا، مگر ہاتھ سے مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ خون بہنے لگا۔ جب آپ کی بہن نے دیکھا کہ چھوڑتے ہی نہیں تو کہا! اے عمر! تم مار ہی ڈالو مگر دین اسلام ہم سے نہ چھوٹے گا۔ جب انہوں نے خون بہتا دیکھا، تو غصہ فرو ہو گیا۔ اپنی بہن کو چھوڑ دیا، تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ میں نے نئے کلام کی آواز سنی ہے۔ وہ مجھے دکھاؤں۔ آپ کی بہن نے کہا، تم مشرک ہو۔ اس کو چھو نہیں سکتے۔ انہوں نے زبردستی کر کے مانگ لیا۔ دو تین آیتیں پڑھیں۔ فوراً ان کے منہ سے نکلا وَاللّٰهِ مَا هَذَا كَلَامُ الْبَشَرِ (خدا کی قسم یہ کلام بشر کا نہیں)۔

یہ سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ فوراً کوٹھری سے نکل آئے اور کہا:

اے عمر تمہیں خوشخبری ہو، کل ہی حضور اقدس ﷺ نے دعا فرمائی تھی:

اَللّٰهُمَّ اعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِيْ جَهْلٍ بَنِ هِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

”اے الہی اسلام کو عزت دے، ابو جہل یا پھر عمر بن خطاب کے ذریعہ سے۔“

الحمد للہ کہ حضور ﷺ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ حضور

ﷺ اس وقت کہاں تشریف فرما ہیں۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، دار ارقم میں۔ انہوں نے کہا مجھے لے چلو۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ درودلت پر لے کر حاضر ہوئے۔ یہاں مسلمان بخوف کفار چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ دروازہ پر آواز دی اندر سے آواز آئی ”کون“ انہوں نے کہا عمر۔ ضعیفائے مسلمین خائف ہوئے۔ دو تین آوازیں دیں، مگر جواب نہ دیا گیا۔ انہوں نے سختی سے آواز دی۔ تو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کواڑ کھول دیا جائے۔ گر خیر کے لیے آیا ہے۔ فیہا اور اگر ارادہ شر سے آیا ہے تو واللہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ دروازہ کھلا۔ یہ اندر گئے۔ حضور اقدس ﷺ کھڑے ہو گئے اور ان کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: عمر کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تو مسلمان ہو۔ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ ایک عظیم الشان پہاڑ میرے اوپر رکھ دیا گیا۔ یہ عظمت نبوت تھی۔ فوراً عرض کیا:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

یہ دیکھتے ہی مسلمانوں نے خوش ہو کر با آواز بلند تکبیریں کہیں۔ جن سے پہاڑ گونج اٹھے۔ انہوں نے مسلمان ہوتے ہی عرض کیا۔ یا رسول اللہ کفار علی الاعلان اپنے معبودانِ باطل کی پرستش کریں اور ہم مسلمان چھپ کر اپنے سچے خدا کی عبادت کریں۔ ہم علانیہ مسجد حرام شریف میں نماز پڑھیں گے۔ حضور اقدس ﷺ مسلمانوں کو لیکر برآمد ہوئے۔ مسجد حرام شریف میں اذان کہی گئی۔ دو صفیں ہوئیں ایک میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دوسری میں عمر رضی اللہ عنہ جس کا فہر نے دیکھا چپکے اپنے گھر میں گھس گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

جب ضعیفائے مسلمین نے ہجرت کی تو کفار سے چھپ چھپ کر چلے گئے انہوں نے جب ہجرت فرمائی۔ ایک ایک مجمع کفار میں تنگی مشیر لے جا کر فرمایا، جس

نے مجھے جانا اور جس نے نہ جانا ہو وہ اب جان لے، پہچان لے، میں ہوں عمر، جسے اپنی عورت بیوہ اور بچے یتیم کرنا ہوں، وہ میرے سامنے آئے، میں اب ہجرت کرتا ہوں۔ پھر یہ نہ کہنا کہ عمر بھاگ گیا۔ تمام کفار سر جھکائے بیٹھے رہے۔ کسی نے چوں بھی نہیں کی۔

حضور ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک ہی مٹی سے بنائے گئے

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت ایک سوال کے جواب میں قرآن شریف کی یہ آیت نقل فرماتے ہیں: اللہ عزوجل فرماتا ہے۔
مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى۔
”زمین ہی سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں پھر تمہیں لے جائیں گے اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔“

ابو نعیم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا وَقَدْ ذُرُّ عَلَيْهِ مِنْ تُرَابٍ حُمْرَةٍ۔

”کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا جس پر اس کی قبر کی مٹی نہ چھڑکی گئی ہو۔“

خطیب نے کتاب ”المحقق والمفترق“ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا وَفِي سُرَّتِهِ مِنْ تُرَابِهِ الَّتِي خُلِقَ مِنْهَا حَتَّى يَدْفَنَ

فِيهَا وَأَنَا وَأَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ خُلِقْنَا مِنْ تُرَابَةٍ وَاحِدَةٍ فِيهَا نُدْفَنُ۔

”ہر بچہ کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا، یہاں تک کہ

اسی میں دفن کیا جائے اور میں اور ابو بکر و عمر ایک مٹی سے بنے، اسی میں دفن ہو گئے۔“

خطبہ میں خلفاء کرام کا نام کی ابتداء

کسی نے سوال کیا کہ خطبہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر تو زمانہ اوّل میں نہ تھا۔ اس کے جواب میں مجدد ملت نور اللہ مرقدہ نے فرمایا:

زمانہ اوّل میں ثابت ہے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آپ کا ذکر خطبہ میں کیا۔ بعد آپ کے ذکر کے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔

اس کی خبر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچی۔ سخت ناراض ہوئے کہ تم نے ابوبکر صدیق کا ذکر میرے بعد کیوں کیا؟ مجھ سے پہلے (کرنا) چاہیے تھا۔

اس روایت کو تحریر فرمانے کے بعد حاشیہ پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم کی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر اس لیے ناراضی تھی کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ

کسی نے سوال کیا کہ بعض لوگ خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ منہا لالچی تھے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک تین دن تک رکھی تھی اور وہ اپنے اپنے خلیفہ ہونے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق کیا حکم ہے تو حضرت مجدد نے جواب دیا:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ انور اگر قیامت تک رکھا رہتا۔ اصلاً کوئی خلل محتمل نہ تھا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام طاہرہ بگڑتے نہیں، سیدنا سلیمان علیہ السلام بعد انتقال کھڑے رہے۔ سال بھر بعد دفن ہوئے۔ جنازہ مبارکہ حجرہ ام المؤمنین صدیقہ

میں تھا۔ جہاں اب مزار انور ہے۔ اس سے باہر لے جانا نہ تھا۔ چھوٹا سا حجرہ اور تمام صحابہ کو اس نماز اقدس سے مشرف ہونا تھا۔ ایک جماعت آتی اور پڑھتی اور باہر چلی جاتی پھر دوسری آتی، یوں یہ سلسلہ تیسرے دن ختم ہوا۔ اگر تین برس میں ختم ہوتا، تو جنازہ اقدس تین برس یوں ہی رکھا رہنا تھا کہ اس وجہ سے تاخیر دفن اقدس ضروری تھا۔ ابلیس کے نزدیک یہ اگر لالچ کے سبب تھا تو سب سے سخت تر الزام امیر المؤمنین مولیٰ علی پر ہے۔ یہ تو لالچی نہ تھے۔ اور کفن دفن کا کام گھر والوں سے ہی متعلق ہوتا ہے۔ یہ کیوں تین دن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ خود انہی نے رسول کا یہ کام کیا ہوتا۔ پہ پھیلی خدمت بجالائے ہوتے تو معلوم ہوا کہ یہ اعتراض ملعون ہے اور جنازہ انور کا جلد دفن نہ کرنا ہی مصلحت دینی تھا۔ جس پر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا ہے۔ مگر چشم بداندیش کہ برکنہ باد۔ عیب نماید ہنرش در نظر۔ یہ خباہت خدا کا ہے۔ صحابہ کرام کو ایذا نہیں دیتے۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔

مَنْ أَذَاهُمْ فَقَدْ أَذَانِي وَمَنْ أَذَانِي فَقَدْ أَذَى اللَّهِ وَمَنْ أَذَى اللَّهِ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ.

”جس نے اُن کو (صحابہ کو) ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے گرفتار کرے۔

(احکام شریعت جلد اوّل صفحہ ۷۰۶، ابوالعلائی پریس آگرہ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان

حضرت مولانا شاہ عبدالحمید صاحب قدس سرہ العزیز نے جو مشائخ بنارس میں سے ہیں۔ اعلیٰ حضرت سے سوال کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہمیشہ سے مسلمان تھے۔ یا ۱۳-۹-۸ برس کے سن میں ایمان لائے۔ اعلیٰ حضرت نور اللہ

مرقدہ نے فرمایا:

حضرت امیر المؤمنین، مولیٰ المسلمین، امام الواصلین، سیدنا مولانا علی مرتضیٰ، مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور حضرت امیر المؤمنین امام المشاہدین، افضل الاولیاء والحمد ثین سیدنا مولانا صدیق اکبر عتیق اطہر علیہ الرضوان الاجل الاظہر دونوں حضرات عالم ذریت سے روز ولادت، روز ولادت سے سن تمیز، سن تمیز سے ہنگام ظہور پر نور، آفتاب بعثت، ظہور بعثت سے وقت وفات، وقت وفات سے ابدال آباد تک بحمد اللہ تعالیٰ موحد و موقن و مسلم و مومن و طیب و ذکی و طاہر و نقی تھے۔ اور ہیں اور رہیں گے، کبھی کس وقت، کسی حال میں ایک لمحہ، ایک لحظہ، ایک آن کو لوٹ کفر و شرک و انکار ان کے پاک مبارک سحرے دامنوں تک اصلاً نہ پہنچا، نہ پہنچے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

عالم ذریت سے روز ولادت تک اسلام پیشانی تھا۔ الست برکم قالوا یلی روز ولادت سے سن تمیز تک اسلام فطری کہ کل مولود یولد علی الفطرة سن تمیز سے روز بعثت تک اسلام توحیدی کہ ان حضرات والا صفات نے زمانہ فتور میں بھی کبھی بت کو سجدہ نہ کیا۔ کبھی غیر خدا کو خدا قرار نہ دیا۔ ہمیشہ ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ایک ہی کہا، ایک ہی سے کام رہا۔ (تذیہ الکلاء الحیدری عن وصمة الجہلیہ ص ۲۲ نوری کتب خانہ لاہور)

خلفاء اربعہ صاحب ولایت تھے

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وزیر اور دست راست (یعنی داہنا ہاتھ) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وزیر اور دست چپ (بایاں ہاتھ) تھے۔ اور پھر امت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پر امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المؤمنین فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو عطا ہوئی۔

اس کے بعد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ درجہ غوثیت پر فائز

ہوئے اور امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ و مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم وزیر ہوئے، پھر امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو غوثیت عنایت ہوئی اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و امام حسن رضی اللہ عنہ وزیر ہوئے۔ پھر مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو اور امین محترمین رضی اللہ عنہ وزیر ہوئے۔ (المفسر طہ جلد اول صفحہ ۷۶)

سلسلہ ولایت پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک سلسلہ امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے، ایک عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے..... تھا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک سلسلہ علاوہ سلسلہ نقشبندیہ کے ”حواریہ“ تھا۔ اس کے امام حضرت سیدی ابو بکر حواری رضی اللہ عنہ تھے۔ (المفسر طہ جلد چہارم صفحہ ۱۲)

چار کا عدد

عدد چار کی صرف اس لیے دشمنی کہ اہلسنت چار خلفائے کرام مانتے ہیں۔ کیسی گندی جہالت ہے۔ آسمانی کتابیں بھی چار ہیں۔ قرآن عظیم، توریت، انجیل و زبور..... اگلے مرسلین اولو العزم بھی چار ہیں نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہ السلام۔ اللہ، محمد ﷺ، حیدر، بتول، حسین، شہید، عابد، سجاد، باقر، صادق، موسیٰ، کاظم، جواد، مہدی، ان سب میں چار چار حروف ہیں۔ تو ان سب سے نفرت کریں۔

تین سے محبت ہے

تو یزید سے کیوں نہیں محبت کرتے؟ اس میں بھی صرف اصلی تین ہی ہیں اور شمر تو ان کا بڑا محبوب ہونا چاہیے۔ کہ خالص تین حرف ہے۔ طرفہ یہ کہ وہ چار خلفاء میں سے تین کے دشمن ہیں اور تین روٹیاں کھانا یا ایک روٹی کے تین ٹکڑے کرنا ناپسند نہیں رکھتے، جہاں ان تین میں چوتھا شامل ہوا۔ اور نفرت آئی۔ تو یہ نفرت تین سے نہ ہوئی۔ بلکہ چوتھے سے کہ خاص مذہب ناصبیوں کا ہے۔ اسی کی نظیر ان اوہام پرستوں کی دس

کے عدد سے عداوت ہے کہ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کا عدد ہے اور نو کے عدد سے محبت رکھتے ہیں حالانکہ وہ ان دس میں نو کے دشمن ہیں۔

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

مَنْ أَجْهَلُ مِمَّنْ يَكْرَهُ التَّكْلِمَ بِلَفْظِ الْعَشْرَةِ أَوْ فِعْلِ شَيْءٍ يَكُونُ عَشْرَةً لِّكَوْنِهِمْ يَبْغُضُونَ الْعَشْرَةَ الْمَشْهُودَ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ وَيَسْتَفْتُونَ عَلَيْهَا وَالْعَجَبُ أَنَّهُمْ يُؤَالُونَ لَفْظَ التَّسْعَةِ وَيَبْغُضُونَ التَّسْعَةَ مِنَ الْعَشْرَةِ۔

”ان سے بڑھ کر جاہل کون ہوگا جو دس کا نام لینا یا وہ کام کرنا جس میں دس کی گنتی آئے، ناگوار رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں ان سے عداوت ہے جن کے نبی ﷺ نے جنت کی شہادت دی فقط علی کو الگ کر لیتے ہیں۔ اور عجب یہ کہ وہ نو کا لفظ پسند کرتے ہیں حالانکہ ان دس میں نو ہی کے دشمن ہیں۔ (فتاویٰ افریقیہ صفحہ ۱۳۵ تا ۱۳۷)

چاروں خلیفہ کا مرتبہ برابر کہنا خلاف اہلسنت ہے

کسی شخص نے اپنے سوال میں چاروں خلفاء کے مرتبہ کو برابر قرار دیا۔ تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے فرمایا یہ خلاف عقیدہ اہلسنت ہے۔

اہلسنت کے نزدیک صدیق اکبر کا مرتبہ سب سے زائد ہے، پھر فاروق اعظم، پھر مدہب منصور میں، عثمان غنی، پھر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

جو چاروں کو برابر جانے وہ بھی سنی نہیں۔ ہاں یہ معنی لے کر چاروں کا ماننا فرض ہے۔ اس بات میں برابری ہے، تو حرج نہیں، جیسے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ اس کے رسولوں میں فرق نہیں کرتے کہ ایک کو مانیں ایک کو نہ مانیں، بلکہ سب کو مانتے ہیں اور فرماتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ان رسولوں میں ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ افریقیہ صفحہ ۱۳۸)

صحابہ کرام کا مرتبہ و مقام

اللہ تعالیٰ نے سورہ حدید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سید المرسلین ﷺ کی دو قسمیں فرمائیں۔ ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بہ ایمان ہوئے اور راہ خدا میں مال خرچ کیا۔ جہاد کیا، دوسرے وہ کہ بعد فتح مکہ مشرف بہ ایمان ہوئے۔ پھر فرمایا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ دونوں فریق (فتح مکہ سے قبل اور فتح مکہ سے بعد والوں) سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان کو فرماتا ہے:

أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ○ لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ تَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ۔

”وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں، اس کی بھنک تک نہ سنیں گے، قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی۔ فرشتے ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل فرماتا ہے، تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔ اور انکے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات (روایات جھوٹی اور) کا ذبہ ہیں۔ ارشاد الہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت میں اس کا منہ بھی بند کر دیا۔ فرمادیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرمادیا:

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○

”اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے۔“

بایں ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ اس کے بعد جو کوئی بکے اپنا سر کھائے خود جہنم میں جائے۔ (احکام شریعت جلد اول صفحہ ۶۸ تا ۶۹)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام

ایمان لانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خدمت نبوی سے جدا نہ ہوئے۔ ہمہ وقت پاس رہتے اور وحی الہی کی کتابت کرتے۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے دل میں جو احترام تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہا (المفوط جلد سوم صفحہ ۴۲ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں) کہ ایک صحابی عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کچھ کچھ سرکار سے ملتی تھی، جب وہ (دمشق) تشریف لاتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تخت سے سرودھ ہو جاتے۔ (اس لیے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مشابہ تھے)

خلافت راشدہ کی تعریف

ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولیٰ علی، امام حسن، امیر معاویہ، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ تھی اور اب سیدنا امام مہدی رضی اللہ عنہ کی خلافت، خلافت راشدہ ہوگی۔ (المفوط جلد ۳ صفحہ ۷۱)

صحابہ کرام کو برا کہنے والے کے پیچھے نماز ممنوع ہے

بعض لوگ صحابہ کرام مثل امیر معاویہ و عمرو بن عاص و ابو موسیٰ اشعری و غیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز بکراہت شدیدہ تحریمہ مکروہ ہے کہ انہیں امام بنانا حرام اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور جنتی پڑھی ہوں سب کا پھیرنا واجب ہے۔ (احکام شریعت جلد اول صفحہ ۹۱)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ ہمارے دلوں میں اپنی، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے آل و اصحاب کی سچی محبت و عقیدت بھر دے اور جملہ مسلمانوں کے دلوں کو صحابہ کرام کی عداوت و نفرت سے پاک کر کے اس کی جگہ الفت پیدا کر دے۔

صحابہ کرام اور اہلبیت نبوت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

یہ ملت اسلامیہ کے وہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جنہیں قرآن کے اولین خطاب اور حضور سے بلا واسطہ شرفِ تعلیم و تربیت حاصل ہوا تھا۔ اسلام کی اشاعت کے اولین داعی۔ راہ حق میں مخلصانہ سرفروشی اور دین کی راہ میں مصائب و آلام اٹھا کر ثابت قدمی کے تاج کی زیب و زینت بنتے رہے۔ تمام صحابہ کرام مومن مخلص سچے مسلمان اور جنتی ہیں۔ عادل ہیں۔ سب کی تعظیم و توقیر محبت و احترام مسلمانوں کے لیے لازم و واجب ہے۔ یہ مہاجر بھی انصار بھی ہیں۔ غازی بھی ہیں شہید بھی ہیں۔ یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا

إِمْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ۔ (پارہ ۲۶ رکوع ۱۳)

”اللہ تعالیٰ نے تقویٰ میں امتحان لے لیا۔“

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا۔

”اللہ ان سے راضی اور یہ اللہ سے راضی ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔“

وَكَلَّمَ اللَّهُ الْحُسَيْنِ۔

”سب صحابہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔“

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے لیے اپنی بخشش اور اجر عظیم کا اعلان فرمایا (پارہ ۲۶۵ رکوع ۱۱) صحابہ کرام کو زمین کی حکومت و خلافت کی بشارت عطا فرمائی۔ (پارہ ۱۸ رکوع ۱۳) انہیں حضور ﷺ کا ساتھی قرار دیا۔ کافروں پر سخت آپس میں رحم دل (پارہ ۲۶ رکوع ۱۲) حضور سید عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔ میرے زمانہ کے لوگ بہترین ہیں۔ میرے صحابہ کو برا مت کہو، مجھے اس ہستی کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی ایک شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے گا، تو صحابہ میں سے کسی ایک کے مدد بلکہ نصف مد کے ثواب کو بھی نہ پاسکے گا۔

(مشکوٰۃ، مسلم فضائل صحابہ)

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان کو تنقید کا نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے انہیں محبوب رکھا۔ میری محبت کی وجہ سے محبوب رکھا، جس نے میرے صحابہ کو ایذا دی۔ اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی۔ اس نے اللہ کو ایذا دی اور اللہ کو ایذا دینے والا جہنمی ہے۔ (ترمذی)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں دیں تیرا بکس تو کہوں تمہاری شرارت پر لعنت۔ (بخاری)

صحابہ کرام کی فضیلت و عظمت

حضور ﷺ کے صحابی ساری امت سے افضل و بہتر ہیں۔ ملت اسلامیہ کی عظمت اور اسلام کی عظمت صحابہ ہی سے بلند ہوئی ہے۔ یہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کے جمال کو دیکھا۔ آپ کی پاکیزہ صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ قرآن اور دین کو حضور ﷺ کی زبان سے سنا اور اپنی جان و مال حضور پر نثار کر دیا۔ صحابی کے مرتبہ کو اب کوئی نہیں پاسکتا۔ دنیا بھر کے اولیا، اقطاب، ابدال غوث و

قطب صحابی رسول کے درجہ و مقام کو حاصل نہیں کر سکتے۔

حضور ﷺ کی صحابہ سے محبت

حضور اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے اور حضور اکرم ﷺ ہی کی وجہ سے ان کے ساتھ محبت رکھنی چاہیے۔ ان کے ساتھ محبت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ محبت ہے۔ ان کے ساتھ عداوت حضور ﷺ ہی کے ساتھ عداوت ہے۔ (مکتوبات نمبر ۲۲۶، جلد اول، صفحہ ۳۲۶)

سلامتی کی راہ یہ ہے کہ صحابہ کے مشاجرات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے ”اے برادر طریق اسلام دریں موطن سکوت از ذکر مشاجرات صحابہ پیغمبر است علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات واعراض از تذکرہ منازعات ایشان۔“

(دفتر اول مکتوب ۲۵۱)

”اے برادر اس بارے میں سلامتی کی راہ اور نجات کی راہ صرف یہ ہی ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات و محاربات سے متعلق خاموشی اختیار کی جائے اور زبان نہ کھولی جائے۔“

صحابہ کرام کو بدگوئی کا نشانہ نہ بناؤ

پیغمبر فرمودہ ﷺ ایسا کہ وما شجر بین اصحابی نیز فرمودہ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوہم عرضا۔ (دفتر اول مکتوب ۲۵۱)

”نبی ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ میں جو جھگڑے ہوں۔ ان سے الگ رہو۔ نیز آپ نے فرمایا میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اس کا خوف کرو اور ان کو بدگوئی کا ہدف نہ بناؤ۔“

حضرت امیر مومنین فرمودہ است کہ ابو بکر و عمر افضل ایں امت اند۔

(دفتر دوم مکتوب ۶۷)

”جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اس امت میں سب سے افضل ہیں۔“

صحابہ کی لڑائیاں

حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا و سیدنا طلحہ و سیدنا زبیر و سیدنا معاویہ و سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کی لڑائیاں ہوئیں۔ ان سب میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے۔ اور یہ حضرات خطا پر۔ لیکن وہ خطا عنادی نہ تھی، بلکہ خطائے اجتہادی تھی۔ مجتہد کو اس کی خطائے اجتہادی پر بھی ایک ثواب ملتا ہے۔ ہم کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت رکھنے۔ ان سب کی عزت و تعظیم کرنے کا حکم ہے جو کسی صحابی کے ساتھ بغض و عداوت رکھے وہ بد مذہب ہے۔

(مکتوب ۲۶۶ جلد اول صفحہ نمبر ۲۳۲)

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل و اعلیٰ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر ان کے بعد سب سے افضل سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان دونوں باتوں پر اجماع امت ہے۔ اور چاروں آئمہ مجتہدین امام اعظم ابو حنیفہ و امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور اکثر علمائے اہلسنت کا یہی مذہب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ میں سب سے افضل سیدنا عثمان غنی ہیں۔ پھر ان کے بعد تمام امت میں سب سے افضل سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں۔

(مکتوبات نمبر ۲۶۶ جلد اول صفحہ نمبر ۳۳۰)

رفیق نبوت

سید الاولیاء حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمہ اللہ مکتوبات میں فرماتے

ہیں کہ فقہاء میں سے کسی نے حضرت شبلی رحمہ اللہ سے امتحاناً سوال کیا زکوٰۃ کتنے پر واجب ہوتی ہے؟ حضرت شبلی نے کہا، جواب مسلک فقہاء پر چاہتے ہو یا مسلک فقراء پر؟

سائل نے عرض کی دونوں پر۔ فرمایا فقہاء کے مذہب پر ایک سال گزرنے کے بعد دوسو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے اور مذہب فقراء پر دوسو درہم کے علاوہ اپنی جان بھی پیش کرنی ضروری ہے۔

سائل نے کہا اس کی دلیل؟

حضرت شبلی رحمہ اللہ نے جواب دیا:

ما این مذہب از صادق رب العالمین گرفتہ یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ او ہر چہ داشت بہ پیش سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جگر گوشہ معاشرہ را بشکرانہ داد۔ (مکتوبات یحییٰ منیری صفحہ ۳۳) ”میں نے یہ مذہب صادق رب العالمین حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا“ آپ نے جو کچھ تھا سب اپنے مقدس رسول پر نثار کر دیا اور اپنی جگر گوشہ حضرت عائشہ کو شکرانہ میں بخشور نبوی پیش کر دیا۔“

پروانہ کو چراغِ عنا دل کو پھول بس

صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس جلال و جمال الہی کا پرتو تھا۔ کسی میں تاب نہ تھی کہ بخشور نبوی آنکھ ملا کر بات کر سکے۔ مگر جناب صدیق اکبر و فاروق اعظم میں یہ استعداد تھی کہ جمال نبوت کو آنکھ بھر کر دیکھ لیتے تھے۔

حدیث ترمذی میں ہے کہ حضور انصار و مہاجرین کے اجتماع میں جلوہ فرماتے تھے۔ جلال نبوت و وقار رسالت کا یہ عالم تھا کہ کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ مگر اس اجتماع میں صرف صدیق و فاروق ہی ایسی شخصیت تھے، جو جمال نبوت سے فیض یاب ہو رہے تھے اور حضور ان کی طرف نظر فرماتے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ان دونوں سے بہتسم کلام فرماتے تھے۔

أصدق الصادقين و سيد المتقين

چشم و گوش وزارت پہ لاکھوں سلام

حضرت مولائے کائنات شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

سب سے بہتر ابو بکر و عمر ہیں۔ میری محبت اور ابو بکر و عمر سے بغض کسی مومن

کے دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔ (طبرانی)

امام شعی سے روایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق کو چار چیزوں

سے ممتاز کیا:

✽ آپ کا نام صدیق رکھا۔

✽ آپ غار میں حضور ﷺ کے رفیق۔

✽ ہجرت میں حضور کے صاحب تھے۔

✽ مرض وفات میں حضور ﷺ نے آپ کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کا شرف بخشا۔

صدیق اکبر و فاروق اعظم بعد وصال بھی حضور ﷺ کیساتھ ہیں

دشمنین بعد از موت نیز از حضرت پیغمبر جدا نشدند، و حشر نیز در میان ایشان خواهد

بود چنانچہ فرمودہ۔ (دفتر دوم مکتوب ۶۷)

”جناب صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما بعد از وصال بھی حضور ﷺ سے جدا نہ ہوئے۔

حضور ﷺ قیامت کے دن دونوں حضرات کے درمیان اٹھیں گے۔“ جیسا کہ نبی

ﷺ نے فرمایا ہے۔“

حضور ﷺ کے بعد خلیفہ مطلق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں

مجدد الف ثانی قیوم زمانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی قدس سرہ العزیز

فرماتے ہیں:

امام برحق و خلیفہ مطلق بعد حضرت خاتم مرسل علیہ و علیہم الصلوٰات و التسلیمات

حضرت ابو بکر صدیق است۔ (مکتوب ۶۷ دفتر دوم)

”حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد امام برحق خلیفہ مطلق حضرت صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ ہیں۔“

افضیت ایشان بترتیب خلافت است۔

”خلفاء اربعہ میں افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب کی طرح ہے۔“

(دفتر سوم مکتوب ۶۷)

علی مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم

امیر المؤمنین سید المتقین شیر خدا شاہ خیر شکن سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

الکریم وہ روشن چراغ تھے جو فتنوں کی اندھیاری میں بھی آخر وقت تک یکساں نور فشاں

رہے۔ تاریکیاں سمٹ سمٹ کر ان پر حملہ آور ہوئیں۔ لیکن ناکام رہیں۔ ظلمت پسند

بڑھ بڑھ کر اس شمع ولایت پر پھونکیں مارتے لیکن اس کی لو میں تھر تھراہٹ بھی پیدا نہ

ہوتی۔ آخری سانس تک اللہ کے دین اور اس کے آخری نبی کی سنت پر مستقیم رہے۔

ان کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آزمائش گاہ بنایا۔ خود ہی فرماتے

ہیں کہ مجھے قسم ہے اس ہستی مقدس کی جس نے دانے اگائے اور جاندار مخلوق پیدا کی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے مجھے بتایا کہ مومن مجھ سے محبت کرے گا۔ اور منافق مجھ سے

بغض رکھے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

اہلسنت و جماعت اہلبیت اطہار و شہرہ اذگان کو نبین حسن و حسین علیہ السلام اور سیدہ

عقیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہم سے محبت و عقیدت کو ایمان کی جان قرار دیتے ہیں۔

مرضی شیر حق اشع الاجمین

ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن

پر تو دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

ماہی رقص و تفصیل و نصب و خروج

حالی دین و سنت پر لاکھوں سلام

شہزادہ کونین امام حسین علیہ السلام

امام العارفین سید المتقین حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمہ اللہ اپنی تالیف کشف الحجب میں ارشاد فرماتے ہیں

شہزادہ کونین سیدنا امام حسین علیہ السلام بلند پایہ اولیاء اللہ سے ہیں اور تمام حریت پسند، حق پرست افراد کے لیے ان کی سیرت طیبہ ایک نمونہ دستور حیات ہے۔ اہل طریقت ان کے حال و سیرت کی پختگی و درستی پر اتفاق رکھتے ہیں۔ وہ حق کے پیرو تھے۔ جب حق مستور ہوا۔ اور فاسق و فاجر لوگوں نے حق کی مخالفت کی۔ تو آپ نے تلوار کھینچی اور اپنی جان تک قربان کر دی۔ سیدنا امام حسین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے نشانیاں موجود تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا امام حسین کو اپنی پشت پر سوار کر رکھا ہے۔ میں نے عرض کی سواری بڑی عظمت والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا، سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔ (کشف الحجب)

اہلبیت نبوت

اہل بیت نبوت سے محبت و عقیدت رکھنا اور ان کا احترام کرنا مسلمانوں کے لیے لازم و واجب ہے۔ جو ان سے محبت نہیں رکھتا اور ان کی شان میں گستاخی کرتا

ہے۔ وہ اہلسنت سے نہیں، خارجی بد مذہب ہے۔ اہل بیت نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی داخل ہیں۔ انہیں اہل بیت سے خارج سمجھنا غلط اور قرآن مجید کی تصریحات کے خلاف ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔

”اے رسول تم فرماؤ! میں اس پر (یعنی تبلیغ رسالت پر) کچھ طلب نہیں کرتا۔

مگر قرابت کی محبت۔“

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے، اور آپ کے مصارف زندگی بڑھ گئے، تو انصار نے کچھ مال جمع کر کے بحضور نبوی پیش کیا اور عرض کی کہ آپ کے احسانات ہم پر بہت ہیں۔ آپ کی بدولت ہم نے گمراہی سے نجات پائی۔ اس لیے ہم آپ کی خدمت میں یہ مال بطور نذرانے ہیں۔ قبول فرما کر ہماری عزت افزائی فرمائی جائے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مال قبول نہ فرمایا اور اپنے قرابت والوں سے مودت و محبت کا حکم دیا۔

غور کیجئے کہ تمام مسلمانوں کے درمیان محبت و مودت لازم ہے۔

قرآن نے عام مسلمانوں کے متعلق فرمایا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ حَدِيث میں فرمایا مسلمان مثل ایک عمارت کے ہے جس کا ہر ایک حصہ دوسرے کو قوت پہنچاتا ہے۔ تو جب مسلمانوں پر باہم ایک دوسرے سے محبت واجب ہوئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس درجہ محبت فرض ہوگی۔ فی القربی کے معنی یہ ہوئے تبلیغ و ہدایت پر تم سے اجرت نہیں چاہتا۔ لیکن قرابت کے حقوق تم پر واجب ہیں۔ لہذا رسول کے قرابت والوں کا لحاظ کرو انہیں ایذا نہ دو۔

حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ قرابت والوں سے حضور ﷺ کی آل پاک مراد ہے۔ (بخاری)

لہذا حضور سید عالم ﷺ کے اقارب کی محبت دین کے فرائض میں سے ہے۔

(جمل خازن)

حضور ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اس پر ہوتا ہے جو میری آل کی وجہ سے تجھے ایذا پہنچائے۔ پل صراط پر سب سے زیادہ ثابت قدم وہ ہوگا جو میرے اہلیت اور صحابہ سے زیادہ محبت رکھے۔ (مکتوبات مجدد)

”میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا، نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا ہلاک ہو گیا۔“ (احمد)

مطلب حدیث یہ ہے کہ محبت اہل بیت اور ان کا اتباع باعث نجات ہے۔ اسی لیے حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا، محبت اہل بیت سرمایہ اہلسنت ہے، خاتمہ بالخیر کے لیے اہل بیت سے محبت ضروری ہے۔ (مکتوبات)

واضح ہو کہ قرآن و حدیث سے واضح و ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں داخل ہیں، چنانچہ سورہ احزاب کی آیت میں اہل بیت کا جو لفظ آیا ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے اس سے مراد حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو لیا ہے۔

اہل بیت کرام

امام ربانی قطب زمانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السجانی فرماتے ہیں:

”حضور ﷺ کے اہل بیت کرام کے ساتھ محبت کا فرض ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی دعوت الی الحق و تبلیغ اسلام کی اجرت امت پر یہی قرار دی ہے کہ حضور ﷺ کے قرابت داروں کے ساتھ محبت کی جائے۔

قل لا اسئکم علیہ اجر الا المودۃ فی القربیٰ۔

(مکتوب ۲۶۶ جلد اول ص ۲۲۶)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”حضور ﷺ کے اہل بیت ازلی طہارت و تقدس سے مخصوص ہیں۔ ہر ایک کو تصوف و حقیقت میں کامل دسترس حاصل تھی اور یہ سب کے سب طریقت، شریعت کے امام و پیشوا تھے۔“

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے بحضور سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ایک عریضہ ارسال کیا۔ جس میں عرض کیا:

اے اللہ کے رسول کے فرزند اور ان کی آنکھوں کے نور آپ پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ آپ سب کے سب بنی ہاشم ان کشتیوں کی مثال ہیں جو نہایت گہرے دریا میں رواں ہوں۔ آپ چمکنے والے ستارے، ہدایت کا مینار، دین کے امام و پیشوا ہیں جو شخص آپ کی اقتداء فرمانبرداری کرے گا۔ نجات پائے گا جیسے کشتی نوح میں جس قدر مومن سوار ہو گئے۔ نجات پا گئے۔ (کشف المحجوب)

پارہائے صحف غنچمائے قدس

اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام
آبِ تطہیر سے جس میں پودے جنے

اس ریاضِ نجات پہ لاکھوں سلام
خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر

ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
اس بتولِ جگر پارہ مصطفیٰ

مجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

جس کا آپجیل نہ دیکھا ماہ و مہر نے

اس روئے نزہت پہ لاکھوں سلام

سیدہ زہرا، طیبہ طاہرہ

جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

صحابہ و اہل بیت کا احترام اور ان سے محبت ضروری ہے

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى مَنْ أَذَانِي فِي عِزَّتِي أَتَيْتُكُمْ عَلَى الصِّرَاطِ أَشَدُّكُمْ حُبًّا لِأَهْلِ الْبَيْتِ وَلَا ضَحَائِي - (دفتر دوم صفحہ ۳۶)

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اس پر ہوتا ہے جو میری آل کی وجہ سے مجھے ایذا پہنچائے۔ پھر صراط پر سب سے زیادہ ثابت قدم وہ ہوگا جو میرے اہل بیت اور میرے صحابہ سے زیادہ محبت رکھتا ہوگا۔“

محبت اہل بیت سرمایہ اہلسنت ہے

محبت اہل بیت سرمایہ اہلسنت است

”اہل بیت سے محبت و عقیدت اہلسنت کا سرمایہ ہے۔“ (دفتر دوم صفحہ ۳۶)

خاتمہ بالخیر کے لیے اہل بیت سے محبت ضروری ہے

محبت نزد ایں بزرگواران جز و ایمان ست و سلامتی خاتمہ را بر سوخ آں محبت

مربوط ساختہ اند۔ (دفتر دوم صفحہ ۳۶)

”اہل بیت سے محبت رکھنا اہلسنت کے ہاں جز و ایمان ہے اور ایمان پر خاتمہ کے لیے اہلیت سے محبت رکھنے کو بڑا دخل ہے۔“

اولیاء اللہ کے فیض و ہدایت کا مرکز علی مرتضیٰ کی ذاتِ بالا ہے

دہر کرا فیض و ہدایت ایں میرسد توسط ایشان میرسد چہ ایشان نزد نقطہ منتہائے

ایں راہ اند و مرکب ایں مقام بایشان تعلق دارد۔ (دفتر سوم مکتوب ۱۲۳)

”جس کسی کو بھی ولایت و قطیبت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور جو فیض و ہدایت

ملتی ہے۔ جناب علی مرتضیٰ کے وسیلہ و واسطہ سے ملتی ہے۔ کیونکہ آپ اس راہ کے نقطہ انتہائی کے قریب ہیں

قطب و ابدال و اوتاد جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تربیت حاصل کرتے ہیں

اے برادر حضرت امیر چونکہ حامل بار ولایت محمدی اند تربیت مقام اقطاب و

ابدال و اوتاد کہ از اولیاء عزلت اند و جانب کمالات ولایت در ایشان غالب است۔ مفوض بامداد اعانت انحضرت است۔

”اے برادر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ

و السلام کے حامل ہیں۔ اس لیے قطب، ابدال، اوتاد جو اولیاء عزلت میں اور جن پر ولایت کا رنگ غالب ہے ان سب کی تربیت جناب علی کی امداد و اعانت کے سپرد ہے۔“

حضرت فاطمہ و امامین نیز در ایں مقام با حضرت امیر رضی اللہ عنہ شریک اند رضی اللہ عنہ۔

(مکتوب اول صفحہ ۲۵)

اور اس معاملہ میں حضرت سیدہ فاطمہ اور دونوں امام حسن و حسین بھی حضرت

علی رضی اللہ عنہ کے شریک ہیں۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اہلسنت ہونے کی شرط ہے

پس محبت حضرت امیر شرط تسنن آمد و آنکہ ایں محبت ندارد از اہلسنت و جماعت

خارج گشت و خارجی نام یافت۔

”پس جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے محبت رکھنا اہلسنت وجماعت ہونے کے لیے شرط ہے اور جسے جناب علی سے محبت نہیں وہ اہلسنت سے خارج ہے اور فرقہ خوارج میں داخل ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد فیض ربانی کا منصب عظیم حسنین کریمین کو حاصل ہوا وچوں دورہ حضرت امیر تمام شد ایں منصب عظیم القدر حسنین ترتیباً مفوض و مسلم گشت۔ و بعد از ایشان ہماں منصب بہر یکے از آئمہ اثنا عشر علی الترتیب والتفضیل قرار گرفت۔ (مکتوب دفتر سوم صفحہ ۱۲۳)

”جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور ختم ہوا تو (اولیاء اللہ کو فیض رسانی کا) منصب عظیم ترتیب اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے سپرد ہوا اور ان کے بعد علی الترتیب یہ منصب آئمہ اثنا عشر بارہ اماموں کے حوالہ کیا گیا۔“

آئمہ اثنا عشر فیض و ہدایت کا سرچشمہ ہیں

دور اعصار ایں بزرگواران دہم چنین بعد از ارتحال ایشان ہر کرا فیض و ہدایت میرسد توسط ایں بزرگواران بودہ۔ (مکتوب دفتر سوم صفحہ ۱۲۳)

”اور ان بارہ اماموں کے زمانوں میں اور ان کے بعد کے زمانوں میں جس کسی کو جو فیض اور ہدایت ملا وہ انہیں بارہ اماموں کے وسیلہ اور واسطہ سے ہی ملتا رہا۔“

ائمہ اثنا عشر کے بعد فیض رسانی کا منصب حضور غوث پاک کے سپرد ہوا

تا آنکہ نوبت بحضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رسیدہ قدس سرہ وچوں نوبت بایں بزرگوار شد منصب مذکور باوقدس سرہ مفوض گشت وما بین ائمہ مذکورین وحضرت شیخ بیچ کس بریں مرکز مشہود نمیکرد۔ (مکتوبات دفتر سوم صفحہ ۱۲۳)

”حتیٰ کہ یہ سلسلہ فیض رسانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک

پہنچا۔ اور جب آپ کی باری آئی تو یہ منصب عظیم آپ کے سپرد کر دیا گیا اور آئمہ اثنا عشر اور حضور غوث پاک کے درمیان کوئی بھی اس مرتبہ کا بزرگ محسوس نہیں ہوتا۔“

حضور کی ازواج مطہرات کے ساتھ ام المؤمنین کا لفظ بھی ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے حضور ﷺ کی ازواج کو مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے۔ اور حضور ﷺ کی ازواج کی فضیلت دراصل خود حضور ﷺ کی فضیلت کا ایک شعبہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ۔

”اے نبی کی بیویاں! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔“

النساء میں الف لام جنسی ہے۔ لفظ احد بھی موجود ہے جیسے لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ میں ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ازواج رسول کا درجہ و مقام ہر عورت سے بالاتر ہے۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ ازواج رسول ﷺ جملہ احکام میں مسلمانوں کی مائیں نہیں ہیں ورنہ امتیوں سے پردہ کیوں ہوتا، ماں چونکہ بیحد معظم و محترم ہستی ہوتی ہے اور کسی طرح غلط خیالات و جذبات ان کے بارے میں انسان کے اندر پیدا نہیں ہوتے۔ اس لیے بطور تعظیم و تکریم ازواج رسول کو امہات المؤمنین فرمایا گیا۔

إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ۔ (القرآن حکیم)

”اے محبوب ہم نے تمہاری ازواج کو تمہارے لیے حلال کر دیا۔“

اس آیت سے یہ فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کی بیویوں کی ازواج النبی ہونا بمظہوری رب العالمین ہے اور ظاہر ہے کہ یہ منظوری فی الواقعہ ان کے لیے فضیلت عظیمہ ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ

بَعْدِهِ أَبَدًا ○

”اے ایمان والو! تمہیں یہ حق نہیں ہے تم رسول کو ایذا دو اور یہ بھی جائز نہیں کہ رسول کہ بعد ان کی ازواج مطہرات سے نکاح کرو۔“

اس آیت میں ان کی حرمت دوام کا اعلان ہے پھر یہ بھی دیکھئے کہ پہلے اس آیت میں حضور ﷺ کو ایذا دینے سے روکا گیا۔ اس کے بعد حقوق ازواج بیان کیے۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ ایذا رسول کے جس قدر اقسام ہیں ان میں سب سے زیادہ سخت صورت وہ ہوگی جس میں حضور ﷺ کی ازواج کی شان کے خلاف کوئی رو بہ اختیار کیا گیا ہو۔ اور یہ اس لیے کہ اس آیت میں ایذا رسول ﷺ کے تحت میں خصوصیت سے اسی جزئی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اَلنَّبِیِّ اُولٰٓئِی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ۔

”مومنین سے نبی ان کی جانوں سے بڑھ کر نزدیک ہے اور نبی کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔“

اس آیت میں دونوں جگہ ہم کی ضمیر مومنین کی طرف لوٹ رہی ہے جس سے واضح ہوا ازواج النبی کا لقب امہات المومنین ہے نہ کہ امہات الامت اور لفظ مومنین کے استعمال کا راز یہ ہے کہ مومن وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کو اپنی جانشینوں سے محبوب رکھتا ہو۔“

مومن وہ ہے جو ازواج النبی کو اپنی ماں جانتا ہے۔ وہ نہیں جس سے جسم عنصری کا ظہور ہوا۔ بلکہ وہ ماں جس کی فرزندگی کا شرف اس کو ملتا ہے۔ جس کو (ولا) محبت بنی اور ایمان میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

یزید پلید

فاسق، فاجر گمراہ تھا۔ اس نے ناحق سیدنا امام حسین کو شہید کرایا۔ حضرت امام حسین حق پر تھے اور یزید باطل پر۔ حضرت امام حسین کو باغی اور یزید کو حق پر سمجھنے

والے اہلسنت نہیں، بلکہ گمراہ خارجی ہیں۔ یزید اہانت اہل بیت کا مرتکب ہوا۔ اس بد بخت نے مدینہ پر لشکر کشی کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت کا ذمہ دار بھی یہ ہے۔ حضرت امام احمد حنبل رحمہ اللہ یزید پر لعنت کو جائز فرماتے ہیں۔ یزید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کرا کر ایذا پہنچائی ہے۔ اور یہ بات جہنم تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔ قرآن مجید نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

”وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں۔“

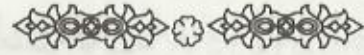
وہ یقیناً دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق اور اللہ نے ان کے لیے دردناک عذاب مقرر کیا ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یزید مسلمانوں کی اکثریت سے امیر مقرر ہوا، اور امام حسین علیہ السلام پر اس کی اطاعت ضروری تھی یا یزید نے قتل کا حکم نہیں دیا۔ یہ رائے مردود و باطل ہے، یزید کا اہل بیت کی توہین کرنا اور امام حسین کو شہید کرنا تو اتر سے ثابت ہے۔ یزید امام برحق کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس وقت کے صحابہ اور ان کی اولاد جو بھی موجود تھی یزید کی اطاعت سے بیزاری کا اعلان کر چکے تھے۔ مدینہ سے چند لوگ شام میں بالجبر پہنچائے گئے۔ مگر یزید کی بد عملی دیکھ کر واپس مدینہ آگئے اور عارضی بیعت کو توڑ کر برملا یہ کہا کہ یزید دشمن خدا شرابی زانی تارک صلوة فاسق ہے۔ حتی کہ محارم سے زنا سے بھی باز نہیں آیا۔ (تحفیل الایمان شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

آپ صحابی رسول، کاتب وحی ہیں۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (جو کہ امام برحق تھے) کے مقابلہ میں ان سے غلطی ہوئی۔ حضرت علی حق پر تھے، لیکن صحابی ہونے کی وجہ سے ان کی شان میں گستاخی کرنا جائز نہیں۔ احادیث میں ان کے فضائل بھی آئے

ہیں۔ صحابہ کرام کی آپس میں لڑائیاں ہوئی ہیں۔ ایک مسلمان پر تنقید و تبصرہ کرنا بہت ہی غیر مناسب ہے ان کے جھگڑوں میں ہمیں حکم و منصف بننے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یوں بھی ان کی شان میں قرآن وحدیث میں جو فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں، اس کا تقاضہ بھی یہ ہی ہے کہ صحابہ کرام کے معاملہ میں زبان کو بدگوئی و طعن سے بہر حال روکا جائے، یہ ہی اہلسنت و جماعت کا مسلک ہے۔



ہر آن نئی شان ہے اندازِ بیان کی

تذکرہ: اصحاب بدر۔ بیعت رضوان۔ غزوہ اُحد۔ غزوہ خیبر

اصحاب بدر

صحابہ کرام کا وہ مقدس گروہ ہے جو ۲ھ بمقام بدر جہاد میں شریک ہوا۔ اور غزوہ بدر کو تمام غزوات پر متعدد وجوہ سے فضیلت و برتری حاصل ہے، یہ کفر و اسلام کی پہلی لڑائی ہے جو رمضان کے مبارک مہینہ میں وقوع پذیر ہوئی۔ قرآن مجید سورہ انفال میں خاص طور پر اس غزوہ کی تفصیل و توضیح بیان ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمائی، بدر کی لڑائی میں حصہ لینے والے صحابہ کا جہاد خالص اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔ مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لیے حضرت جبرائیل امین کی کمان میں فرشتوں کی فوجیں آسمان سے اترتی تھیں۔ قرآن نے اس معرکہ کو یوم الفرقان سے بھی موسوم کیا۔ اس غزوہ کے موقع پر حضور پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ متواتر دعائیں فرماتے تھے اور اسی عالم میں چادر کندھے سے گر پڑتی تھی۔ کبھی سجدہ میں عرض کرتے تھے۔ الہی یہ چند نفوس آج مٹ گئے، تو پھر قیامت تک تو نہ پوچھا جائے گا۔

اس معرکہ میں اکابرین صحابہ، حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، حضرت حمزہ، سید الشہداء و مقداد تھے۔ جنہوں نے عرض کیا تھا کہ ہم موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑے، ہم آپ کے دائیں بائیں لڑیں گے۔ اس تقریر سے حضور ﷺ کا چہرہ اقدس چمک اٹھا اور انصار میں حضرت سعد

بن عبادہ تھے، جنہوں نے کہا حضور بخدا آپ فرمائیں، تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ ایک بلند ٹیلہ پر حضور ﷺ کے لئے ایک عریش چھپر بنایا گیا تھا تاکہ حضور ﷺ اس کے سایہ میں دونوں لشکروں کو ملاحظہ فرما سکیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہاں حضور ﷺ کی حفاظت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ حضرت جبریل امین کے سوال پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں اہل بدر کو سب مسلمانوں سے افضل سمجھتا ہوں۔ (بخاری)

نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا اور فرمایا:

تم جو چاہو کرو۔

اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ عَفَرْتُ لَكُمْ۔ (ابوداؤد)

”میں نے تم کو بخش دیا۔“

یہ معرکہ جانبازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ان کے بیٹے عبدالرحمن تلوار کھینچ کر نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین تھی۔ عقبہ مقابلہ کے لیے آیا، تو ان کے بیٹے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ ولید حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابل ہوا تھا۔

غزوہ بدر ۲ھ

مدینہ منورہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے جس کا نام بدر ہے۔ ۱۲ رمضان المبارک ۲ ہجری حضور ﷺ تین سو تیرہ جانثاروں کے ہمراہ شہر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷ رمضان المبارک کو بدر کے قریب پہنچے۔ مسلمانوں نے جس جگہ پڑاؤ کیا وہاں ریت بہت تھی۔ پاؤں دھنس جاتے۔ کفار کا لشکر صاف زمین پر ٹھہرا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا زور کی بارش ہوئی ریت دب گئی۔ مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے پانی کے حوض بنا لیے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

وَيَنْزِلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءٌ لِّيَطَهِّرَ كُمْ ۝

”اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے۔“

ادھر لشکر کفار میں کچھ بڑھتی۔ مکہ سے قریش بڑے ساز و سامان کے ساتھ نکلے تھے۔ ہزار آدمی کی جمعیت اور یک صد سواروں کا رسالہ تھا۔ ہر روز دس اونٹ ذبح کرتے تھے اب دو صفیں آمنے سامنے تھیں۔ حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام۔

تَقَابُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ أُخْرَى كَافِرَةٌ ۝ (آل عمران)

”ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر تھا۔“

حضور نے لشکر اسلام کی صف بندی ملاحظہ فرمائی۔ ایک انصاری آگے بڑھے ہوئے تھے۔ حضور نے پتلی سی چھڑی ان کے لگا کر فرمایا برابر ہو جاؤ۔ انصاری نے کہا مجھے تکلیف ہوئی ہے۔ حضور ﷺ مدلل و انصاف کے پیغام رساں ہیں تو میں بدلہ لوں گا۔ حضور ﷺ بدلہ دینے کے لیے تیار ہوئے۔ انصاری نے کہا کرتہ اٹھائیں۔ حضور ﷺ نے کرتہ اٹھایا تو اس نے بڑھ کر مہر نبوت کو چوم لیا۔ عرض کی اس معروضہ کا مقصد یہ تھا کہ اس بہانہ یہ شرف حاصل ہو جائے۔

جنگ سے ایک روز پیشتر حضور ﷺ نے میدان جنگ ملاحظہ فرماتے ہوئے فرمایا: اس جگہ ابو جہل، یہاں شیبہ اور یہاں عقبہ کی لاش خاک و خون میں تڑپتی ہوئی ملے گی، چنانچہ جیسا حضور ﷺ نے فرمایا سر موفرق نہ ہوا۔ (بخاری)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ عفراء کے دو نو عمر لڑکے معوذو معاذ نے میرے کان میں کہا کہ ابو جہل جو ہمارے نبی کو گالیاں دیتا ہے۔ جب سامنے آئے تو ہمیں بتانا میرے اشارہ کی دیر تھی کہ وہ شہباز کی طرح ابو جہل پر چھپے۔ دونوں نے اپنی تلواریں اس کے پیٹ میں جھونک دیں۔

جب یہ دونوں لشکر مصروف جنگ تھے تو حضور ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کی جانب پھینک دیں، اسکا اثر یہ ہوا کہ کفار دل چھوڑ کر بھاگے اور مسلمانوں

نے تعاقب کر کے ستر اشخاص کو قید کر لیا۔ قرآن مجید میں فرمایا:

وَمَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ-

”اے رسول وہ کنکریاں تم نے نہیں اللہ نے پھینکی تھیں۔“

اس معرکہ میں کافروں کے ستر آدمی مارے گئے جن میں شبیبہ، عقبہ، ابو جہل، امیہ بن خلف، ابوالختری زمعہ، عاص بن ہشام رؤساء قریش بھی شامل تھے اور مسلمانوں کے صرف چودہ افراد ۶ مہاجر باقی انصار شہید ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت معج رضی اللہ عنہ کے سب سے پہلے شہید تھے۔

بیعت رضوان کا مختصر واقعہ

یہ ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ سورہ فتح میں اس واقعہ کا اور اس درخت کا ذکر ہے۔ جس کے نیچے حضور ﷺ نے صحابہ سے بیعت لی تھی۔ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے جسے حدیبیہ کہتے ہیں۔ یہاں تقریباً ۱۲ ہزار مہاجرین و انصار روشن ستاروں کی طرح ماہتاب نبوت کے گرد جمع تھے۔ چشم فلک نے اس سے بہتر امت نہ کبھی دیکھی تھی نہ آئندہ دیکھ سکے گی۔ حضور ﷺ کے چاروں یار ابو بکر و عمر عثمان و علی بھی دربار نبوت میں حاضر تھے۔ حضور ﷺ چاہتے تھے کہ کوئی مکہ کے حاکم ابوسفیان سے اجازت لے آئے کہ مسلمان پر امن طریقہ سے عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے اس کام کے لیے جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ستارہ چمکا۔ وہ مکہ پہنچے۔ ابوسفیان سے گفتگو کی اس نے مسلمانوں اور حضور ﷺ کو مکہ میں داخلہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تم چاہو تو طواف کر لو۔ کون سا مسلمان ہے جو کعبہ کو دیکھ کر طواف کے جذبہ سے بے چین نہ ہو جائے۔ مگر یہاں عبادت الہی اور جذبہ عشق نبوی میں کش مکش شروع ہوئی۔ ذوق عبادت کہتا ہے برسوں کے بعد طواف کا موقع آیا ہے خدا جانے پھر ملے یا نہ ملے کر لو طواف کعبہ، لیکن عشق بار بار کعبہ حقیقت

اور قبلہ مقصود کی یاد دلاتا ہے جس کا ہر قدم قبلہ گاہ دو عالم ہے۔ اس کش مکش میں زیادہ دیر نہ ہوئی ادھر طواف کی فرمائش ہوئی۔ ادھر زبان عثمان سے ایک ایسا نورانی جملہ نکلا جو جمع رسالت کے پروانوں کے لیے ایک معیار ہے آپ نے فرمایا میرا کعبہ حقیقت تو حدیبیہ میں جلوہ فرما ہے ان کے بغیر میں کیسے طواف کر سکتا ہوں شک نہیں کہ حج کے مناسک بجائے خود عشق دیوانگی کا سب سے بڑا درس ہے، لیکن امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ ایمان افروز عشق انگیز جملہ عشق و محبت کی پوری کائنات اور مناسک حج پر ہماری ہے۔

نہ ہو جب تو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی

ہوا کو، ابر کو، گل کو، چمن کو، صحن بستان کو

ادھر حدیبیہ میں آئیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ عثمان تو مکہ پہنچ گئے، مزے سے طواف کعبہ میں مصروف ہوں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے امید نہیں کہ عثمان میرے بغیر طواف کر لیں۔ زبان نبوت کے یہ مقدس جملے ذات عثمان پر رسول اکرم ﷺ کے اعتماد و اخلاص کی روشن دلیل ہیں۔

اسی موقع پر ایک معجزہ کا ظہور ہوا۔ کنواں خشک ہو گیا۔ بحضور نبوت عرض کی گئی، تو حضور نے اپنی پانی سے بھری ہوئی چھاگل میں اپنا دست مبارک رکھ دیا۔ حضور ﷺ کی مقدس انگلیوں سے چشمہ کے مانند پانی اگلنے لگا۔ (بخاری)

اسی موقع پر دنیا نے حضور ﷺ سے صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اس کی مثال نہ ملتی، عروہ جو قریش مکہ کی طرف سے معلومات کے لیے حدیبیہ آئے تھے۔ قریش سے جا کر کہا میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ مگر جو عقیدت و وارفتگی ان مصاحبوں میں ہے کہیں نہیں دیکھی۔ ان کا نبی جب بات کرتا ہے تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی انہیں نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے غسلہ

زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ ان کا بلغم یا تھوک گرتا ہے، تو عقیدت کش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ چہرہ اور سر میں ملتے ہیں۔

حدیبیہ میں غلط خبر پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ لیکر کے درخت کے سایہ میں جلوہ فرما تھے۔ آواز دی آؤ خون عثمان کا بدلہ لینے کے لیے کٹ مرنے پر بیعت کرو۔ کیا کسی دور میں کسی انسان کا خون اتنا قیمتی تصور کیا گیا ہے کہ جس کا بدلہ لینے کے لیے سید الکونین نے ڈیڑھ ہزار مہاجرین و انصار کو داؤ پر لگا دیا ہو؟ یہ بیعت ہوئی اور رب العزت جل مجدہ نے قرآن کے سینہ میں اس بیعت کو محفوظ کر دیا۔ بیعت کرنے والوں کا دلی اخلاص اللہ کو ایسا پسند آیا کہ اعلان فرمادیا:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

”اللہ تمام اہل ایمان سے راضی ہو گیا، جنہوں نے اس درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔“

ڈیڑھ ہزار مہاجرین و انصار کو حضور ﷺ نے بتایا کہ خون عثمان کتنا قیمتی ہے۔ خون عثمان اتنا ارزاء نہیں کہ وہ یہ ہے تو مسلمان خاموش رہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی خون عثمان کا بدلہ لینے پر بیعت کرنے والوں کو وہ عزت فرمائی کہ انہیں اپنے رضوان کی پختہ سند عطا فرمادی اور عملی طور پر اس بات کا اظہار فرمایا کہ جس کے خون کو رسول نے قیمتی قرار دیا ہے۔ خدا کے نزدیک بھی وہ بہت قیمتی خون ہے۔

جب تمام اہل ایمان بیعت ہو چکے، تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ میرا ہاتھ ہے۔ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ میں عثمان کی بیعت لیتا ہوں۔ بیعت مرے ہوئے کی نہیں لی جاتی زندوں کی لی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے انہیں بیعت کر کے یہ اشارہ کر دیا کہ عثمان زندہ ہیں۔ گویا بیعت تو محض حضرت عثمان کی اسلام میں عظمت کے اظہار کے لیے لی گئی ہے۔ ورنہ عثمان تو زندہ ہیں۔ پیغمبر کی نگاہیں زمان و مکان کو چیر کر آگے نکل جاتی ہیں۔

اور غیب کا بلا تکلف مشاہدہ کر لیتی ہیں۔

غزوہ خیبر کے

خیبر عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے۔ متعدد قلعے باسانی فتح ہو گئے۔ لیکن قلعہ قوص جو مرحب کا تخت گاہ تھا۔ متعدد صحابہ کی کوشش کے باوجود فتح نہ ہو سکا۔ ایک دن شام کو حضور ﷺ نے فرمایا کل ہم فوج کا نشان اس شخص کو دیں گے جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے۔ صحابہ نے تمام رات بیقراری میں کاٹی کہ دیکھئے یہ تاج فخر کس کے سر بتا ہے۔ صبح کو دفعۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ طلب کیے گئے ان کی آنکھوں میں آشوب تھا۔ حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن ڈال دیا اور دعا بھی فرمائی۔ آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ جھنڈا عطا ہوا۔ مرحب میدان میں بڑے طمطراق سے آیا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑے زور سے تلوار ماریکہ سر کو کاٹی ہوئی دانتوں تک اتر گئی۔

اسی غزوہ کے موقع پر ایک عظیم معجزہ کا ظہور ہوا اور جناب علی مرتضیٰ نے بھی عشق نبوی کی ایک مثال قائم کی۔ لشکر اسلام خیبر کے قریب صہباء میں پہنچا تو وقت عصر تھا۔ حضور ﷺ نے نماز عصر ادا فرمائی۔ جناب علی کی ران حضور ﷺ کے لیے تکیہ بنی۔ سورج غروب ہونے لگا۔ علی سوچنے لگے ایک طرف جذبہ عبادت تھا اور دوسری طرف جذبہ عشق نبوی جذبہ عبادت کہتا تھا کہ سورج غروب ہو گیا تو فرض الہی قضا ہو جائے گا اور جذبہ محبت کا اصرار تھا کہ نماز کے لیے اٹھنے سے محبوب و نواز کی نیند میں خلل آجائے گا اسی کش مکش میں زیادہ دیر نہیں عشق نے کہا سورج ڈوب گیا تو اسے واپس لانے والا موجود ہے۔ رسول کی نیند میں خلل آ گیا تو اس کی تلافی ناممکن ہے۔ آخر یہ ہوا کہ سورج ڈوب گیا۔ نماز عصر قضا ہو گئی۔ علی نے نماز عصر کو حضور ﷺ کی نیند پر قربان کر دیا۔ پھر حضور ﷺ بیدار ہوئے جناب علی نے عرض کیا میری نماز عصر قضا ہو گئی۔ حضور ﷺ

نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ عرض کی الہی علی تیرے بنی کی خدمت میں ہے اس کے لیے سورج کو لوٹا دے۔

ارض و سماء ہیں زیرِ تگیں کیا آفتاب

مرضی جو ان کی دیکھی تو لوٹ آیا آفتاب

خیبر کی چوٹیوں پر دوبارہ دھوپ نظر آئی اور جناب علی رضی اللہ عنہ نے فریضہ الہی وقت پر ادا کرنے کے لیے اپنا سر جھکا دیا۔ (شامی)

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروغ ہیں

اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

غزوہ احد شوال ۳ھ

مدینہ منورہ سے شمال کی جانب قریباً ڈیڑھ دو میل پر ایک پہاڑ ہے جس کا نام احد ہے۔ یہ پہاڑ بہت ہی عظمت کا مالک ہے۔ حضور ﷺ جب اس کے قریب سے گزرتے تو فرماتے: ”یہ پہاڑ مجھ سے اور میں اس سے محبت کرتا ہوں۔“ (بخاری)

اس لڑائی میں حضور ﷺ کے ہمراہ سات سو صحابہ تھے۔ حضور ﷺ نے احد کو پشت پر رکھ کر صف بندی کی۔ مصعب کو علم دیا۔ زبیر بن العوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو غیر زره پوش فوج کی کمان دی۔ احد کی پشت سے حملہ کا خطرہ تھا۔ حضور ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کا دستہ وہاں متعین کر کے یہ خصوصی ہدایت دی کہ خواہ لڑائی ختم ہو جائے تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ یہ جنگ بھی کفار قریش نے بدر کا بدلہ لینے کے لیے چھیڑی تھی۔ جس لڑائی میں مستورات بھی برسرِ پیکار ہوں، عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے اس لیے قریش اس جنگ میں عورتوں کو بھی محاذ پر لے آئے تھے۔ ابتداء میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ ابودجانہ کے بے پناہ حملوں سے کفار قریش کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ بہادر نازنین عورتیں جو

رجز یہ اشعار سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی سے پیچھے ہٹ گئیں۔ مگر جب کافر بھاگتے ہوئے نظر آئے تو بعض صحابہ مال غنیمت کے حصول کے لیے حضور ﷺ کی مقرر کردہ جگہ سے ہٹ گئے۔

تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے موقع دیکھ کر عقب سے حملہ کر دیا۔ مصعب بن عمیر جو حضور ﷺ سے صورت میں مشابہ اور علم بردار تھے۔ شہید ہو گئے۔ وحشی غلام نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ جوش انتقام میں خاتونانِ قریش نے مسلمان شہیدوں کے ناک کان کاٹ لیے۔ امیر معاویہ کی ماں ہندہ نے اپنے گلے میں ان کا ہار ڈالا۔ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا پیٹ چاک کر کے کلجہ نکال کر چبا گئی۔ عبداللہ قرنیہ نے حضور ﷺ کے چہرہ اقدس پر تلوار ماری۔ مغفر کی دو کڑیاں چہرہ اقدس میں چبھ کر رہ گئیں۔ یہ دیکھ کر جاں نثاروں نے حضور ﷺ کو اپنے دائرہ میں لے لیا۔ ابودجانہ جبکہ کہ حضور ﷺ کی سپر بن گئے۔

جناب طلحہ تلواروں کے دار اپنے ہاتھ پر روکنے لگے۔ ابوطحہ نے اس قدر تیر چلائے کہ تین کمائیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بھی تیر اندازی کر رہے تھے۔ پھر حضور ﷺ ثابت قدم صحابہ کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان نے وہاں حملہ کرنا چاہا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چند صحابہ نے پتھر برسائے، وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ (بخاری، تاریخ طبری صفحہ ۴۱۰)

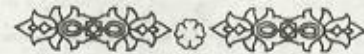
ابوسفیان نے پہاڑی پر چڑھ کر پکارا یہاں ابوبکر و عمر اور حضور ﷺ ہیں۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے پکارا سب مارے گئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ رہا گیا بول اٹھے اودشمن خدا ہم سب زندہ ہیں۔ اس لڑائی میں ناکامی کی وجہ صرف یہ تھی کہ بعض صحابہ سے غلطی ہوئی۔ حضور ﷺ نے ہدایت کی تھی لڑائی خواہ کوئی بھی رخ اختیار کرے تم اس مقررہ جگہ سے نہ ہٹنا، مگر جب کافر بھاگنے

لگے اور مسلمانوں کا پہلہ بھاری نظر آنے لگا۔ تو بعض صحابہ نے یہ خیال کیا اب مقررہ جگہ کو چھوڑ کر مالی غنیمت حاصل کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ قرآن نے ان کی اسی غلطی کی نشاندہی مَنِ يَرْبُدْ الدُّنْيَا کے الفاظ سے کی ہے لیکن جو بات ہر مسلمان کو یاد رکھنے کی ہے، وہ یہ ہے بعض صحابہ سے غزوہ احد میں جو غلطی و کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر اس کوتاہی کی معافی کا اعلان فرمادیا:

وَأَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔ (آل عمران)

”اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس لغزش کو معاف فرمادیا۔“

لہذا اعلانِ معافی کے بعد صحابہ کرام پر اس معاملہ میں تنقید و اعتراض کا کوئی جواز باقی نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ کے معاف فرمادینے کے بعد بھی صحابہ کرام پر طعن کرنا۔ قرآن مجید کی تکذیب کے مترادف ہے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کے ستر افراد شہید ہوئے۔ پھر جب دونوں فوجیں میدان سے الگ ہوئیں تو اس خیال سے کہ ابوسفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ نہ ہو حضور ﷺ نے فوراً ستر صحابہ کرام کے ایک دستہ کو ان کے لیے تعاقب کے روانہ فرمایا جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، لیکن ابوسفیان کو دوبارہ حملہ کی جرأت نہ ہوئی، قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں غزوہ احد کا مفصل ذکر ہے۔



صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کی روشنی میں

حضور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے صحابہ کرام کے فضائل و مناقب اور ان کے کامل الایمان مخلص مسلمان ہونے کے متعلق، قرآنی آیات دو قسم کی ہیں۔ اول وہ جو کسی خاص صحابی کے حق میں نازل ہوئیں جیسے خلافتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق چار آیات اور آپ کے فضائل میں بارہ آیات۔ امیر المومنین امام فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فضائل میں چار آیات۔ حضرات اہلبیت نبوت حسنین کریمین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سورہ دھر کی ۱۵ آیات۔ حضور کی ازواج مطہرات کی شان میں سورہ احزاب کی سات آیات اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں سورہ نور کی ۱۹ آیات دوم وہ آیات جو مجموعی طور پر شانِ صحابہ میں وارد ہوئیں۔ چند آیات قرآنیہ پیش کی جاتی ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کامل الایمان اور مخلص ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔

مہاجرین و انصار

صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے دو بڑے گروہ مہاجرین و انصار پر مشتمل ہیں یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی سرسبزی و شادابی اور دین حق کی اشاعت و حمایت کے لیے ہجرت کی تکلیفیں اٹھائیں۔ اعضاء و اقرباء کو چھوڑا اور جان و مال سے اسلام کی خدمت کی۔ قرآن نے تمام صحابہ کرام انصار و مہاجرین کی عظمت کے خطبے پڑھے ہیں۔ ان کو مومن اور مخلص مسلمان کہا ہے۔ اور قطعی جنتی قرار دیا ہے۔

ہجرت حبشہ

سب سے پہلی ہجرت حبشہ کی طرف ۵ھ ہجری میں ہوئی تھی۔ جب قریش کے ظلم و ستم کی انتہا ہو گئی تو اس وقت رحمت عالم ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو ہدایت فرمائی کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں، چنانچہ حضور ﷺ کے ایماء سے اول اول گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ جن میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ مکرمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کی تعداد آخر میں ۸۳ تک پہنچ گئی تھی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی کفار کے ظلم سے تنگ آ کر حبش کی طرف ہجرت کا قصد فرمایا تھا۔ ابھی آپ برک الغمار جو مدینہ سے یمن کی طرف پانچ دن کی راہ ہے۔ وہاں تک پہنچے تھے کہ قبیلہ قارو کے رئیس ابن الدغنے نے آپ کو بڑے اصرار سے روک لیا۔

ہجرت مدینہ

جب دعوت حق کے جواب میں ہر طرف سے تلواروں کی جھنکاریں سنائی دے رہی تھیں، تو محافظہ عالم نے مسلمانوں کو دارالامان مدینہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا، اکثر صحابہ مدینہ ہجرت کر گئے۔ جن میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مکہ میں صرف حضور اکرم ﷺ، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ باقی تھے۔ حضور ﷺ اپنی ذات کے متعلق حکم الہی کے منتظر تھے۔ کہ حکم ہجرت آ گیا۔ حضور ﷺ نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹایا اور فرمایا میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ رہو۔ صبح کو لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کر دینا اور خود سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ غار ثور میں قیام فرمایا اور وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے۔

انصار مدینہ

انصار مدینہ کے باشندے تھے۔ یہ فود کی شکل میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسلام کے لقب بن کر مدینہ میں اسلام کی اشاعت میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ پھر جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو انصار نے مہاجرین کی امداد و اعانت کی..... حضور سید عالم ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی بھائی کا رشتہ قائم فرمایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رشتہ خارجہ بن زید سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا رشتہ عثمان بن مالک انصاری سے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا رشتہ اخوت، حضرت اوس بن ثابت انصاری کے ساتھ قائم فرمایا۔ حضور ﷺ کے قائم کردہ یہ رشتے خون کے رشتوں سے بھی زیادہ موثر ثابت ہوئے۔

انصار و مہاجرین مومن کامل تھے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ
أَوْأَوْ نَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ۔

(الأنفال)

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت و جہاد کیے اور جنہوں نے انہیں جگہ دی اور انکی مدد کی، یہ سب سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔“

مہاجرین کرام قطعی جنتی ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۲) وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔

”اور سب سے پہلے ہجرت کرنے والے (مہاجر) اور مدد کرنے والے (انصار) اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے تیار کر رکھے وہ باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔“

آیت نمبر ۱ میں قرآن نے تمام صحابہ کرام و مہاجرین و انصار کو مومن کامل ہونے کی ڈگری دی ہے۔ اور ان کے مقبول بارگاہ الہی ہونے کا اعلان فرمایا ہے جس سے مہاجرین و انصار کا قطعی طور پر مومن اور جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ مومن فرمائے ان کے کافر یا منافق ہونے کا تو کوئی مسلمان و ہم بھی نہیں کر سکتا۔

آیت نمبر ۲ میں ذیل کے امور کا بیان ہے:

(۱) مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین سے اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ ان لوگوں سے کبھی راضی نہیں ہو سکتا جن کا انجام برا ہونے والا ہو۔ اور پھر خدا کو ان سے ناراض ہونا پڑے۔

(۲) اللہ کی رضا مندی کو اجر آخرت لازم ہے۔ اسی لیے فرمایا ہم نے ان کے لیے جنت تیار رکھی ہے۔ یہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مہاجرین و انصار کا خاتمہ ایمان پر ہوا اور یہ قطعی طور پر مومن اور جنتی ہیں۔

مہاجرین و انصار کا خاتمہ ایمان پر ہوا

(۳) لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَأُولَئِكَ هُمُ

الصَّادِقُونَ۔ (حشر ۲۸)

”یہ مال نے ہجرت کرنے والوں میں سے ان ضرورت مندوں کا بھی حق ہے جو اپنے گھروں سے بھی نکالے گئے اور اپنے مالوں سے بھی الگ کیے گئے تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشی کے خواست گار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں وہی تو سچے ہیں۔“ (ترجمہ مقبول)

واضح رہے کہ مذکورہ ترجمہ مشہور شیعہ عالم اور مفسر مولوی مقبول احمد کا ہے صرف ترجمہ سے امور ذیل ثابت ہو رہے ہیں۔

(۱) مہاجرین کے اعمال و ایمان خلوص پر مبنی تھے۔ انہوں نے جو ہجرت کی اور اپنے گھروں کو چھوڑا، اپنے مال و متاع عزیز و اقارب سے جدا ہوئے۔ یہ سب کچھ انہوں نے صرف خدا اور رسول کی خوش نودی کے لیے کیا۔

(۲) أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ میں یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ جو اپنے گھر سے نکالے گئے ان کا قصور سوا اس کے اور کچھ نہ تھا کہ یہ اللہ کی رضا کے طالب تھے۔

(۳) يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا یہ اللہ کی طرف سے اس امر کی قطعی گواہی ہے کہ ان مہاجرین کا مطلوب و مقصود رضائے الہی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

(۴) يَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مہاجرین اللہ و رسول کے مددگار ہیں۔ اسی کیساتھ اس آیت کو ملاؤ جس میں یہ ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، تو اللہ تمہاری مدد کرے گا جو اس امر کی پیش گوئی ہے کہ مہاجرین و انصار ہمیشہ مظفر و منصور رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ان کے ساتھ ہوں گے۔

خلفاء اربعہ مہاجر ہیں ان کی خلافت، خلافت راشدہ ہے

(۵) هُمُ الصَّادِقُونَ مہاجرین کی جماعت کو صادق فرمایا اور ان کے صدق کو کسی چیز کے ساتھ مخصوص نہ کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ ان کی ہر بات سچی اور واجب

القبول ہے اور ان کا ایمان اور عمل سچا ہے۔ اس میں نفاق کا شبہ تک نہیں ہے۔ اب اس کے ساتھ اس آیت کو ملا لیجئے جس میں حکم ہے **كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ** بھجوں کے ساتھ رہو۔ تو اس سے واضح ہوا کہ مہاجرین امت کے مقتداء ہیں۔ ان کی پیروی از روئے قرآن امت پر واجب ہے۔ چنانچہ خلفائے اربعہ مہاجرین ہی سے تھے۔ چاروں کی خلافت کا خلافت راشدہ ہونا ثابت ہوا۔

خلاصہ یہ کہ اس آیت میں مہاجرین کے متعلق تین عقیدوں کی تعلیم دی گئی ہے اول یہ کہ اللہ کے خالص و مخلص بندے تھے۔ ان کا مقصود اللہ کی رضا کے سوا اور کچھ نہ تھا اور اس مقصود کے حاصل کرنے میں ان کو طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں۔ لیکن وہ ثابت قدم رہے۔ دوم یہ کہ مہاجرین اللہ اور رسول کے مددگار تھے اور احادیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر محب اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ سوم یہ کہ وہ صادق تھے۔ اسی لیے وہ امت کے لیے واجب الاقتداء تھے۔ یہ تو خاص مہاجرین کرام جن میں حضرات خلفاء اربعہ شامل ہیں۔ ان کے متعلق ارشادات قرآنی ہیں۔ اب انصار کے متعلق قرآن کا فیصلہ سنئے۔

(۴) **وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّيْنَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ**۔

(اور یہ مال فنی ان کا حق بھی ہے) جو ہجرت کرنے والوں سے پہلے دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان پر قائم ہیں اور جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان ہجرت کرنے والوں کو دیا جائے اس کی اپنے دلوں میں خواہش نہیں پاتے اور گوان کو خود ضرورت ہو۔ تاہم دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں تو جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا جائے تو ایسے ہی لوگ تو پوری پوری فلاح

پانے والے ہیں۔ (ترجمہ مقبول)

انصار فلاح یافتہ ہیں

ان آیات میں انصار کے فضائل و مناقب ان کے خلوص اور للہیت کا بیان ہے۔ یہ پہلے سے دار ہجرت میں مقیم ہیں۔ ہجرت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ مہاجرین کی امداد کرتے ہیں۔ ان سے بغض و حسد نہیں رکھتے یہ بہت فیاض ہیں اپنی ضرورت پر مہاجرین کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔ نفسانی خواہشات سے پاک ہیں اور فوز و فلاح کے مالک ہیں۔

گویا اس آیت میں انصار سے متعلق تین عقیدوں کی تعلیم دی گئی۔

اول یہ کہ انصار مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں۔ گویا انصار کے فضائل میں مہاجرین کا محبت ہونا بیان فرما کر مہاجرین کے مرتبہ کو دو بالا کر دیا گیا۔ تو جن کا محبت ہونا فضائل میں ہو، ان محبوبین کا مرتبہ کیسا عظیم الشان ہوگا۔

دوم یہ کہ انصار کے نفوس قدسیہ حرص و حسد سے پاک تھے۔ بغض و حسد دنیاوی محبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ تو جو لوگ بغض و حسد سے پاک ہو گئے ہر قسم کی فلاح ان کو حاصل ہو گئی۔

سوم یہ کہ انصار فلاح یافتہ ہیں۔ فلاح آخرت کی تخصیص نہ فرمائی۔ لہذا دنیاوی آخرت دونوں کی فلاح ان کے لیے لازم ہو گئی۔ اب جن کو اللہ تعالیٰ فلاح پانے والا کہے وہ بھی منافق ہو سکتے ہیں؟

الغرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انصار کے ایمان، سخاوت، مہمان نوازی اور ان کی کامیابی کی گواہی دی ہے۔ اب اس کے بعد ایک تیسرے گروہ کے متعلق ارشاد ہے۔

مہاجرین و انصار پر طعن جائز نہیں

(۵) وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ۔

(یہ مال فقی ان کا حق بھی ہے) جو ان مہاجرین و انصار کے بعد یہ عرض کرتے ہوئے آئے۔ اے اللہ تو ہمارے گناہوں اور ہمارے بھائیوں کے گناہوں کو جنہوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی ہے بخش دے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کوئی کینہ نہ رہنے دے۔

مسلمان کے لیے صحابہ کرام کی فضیلت کا اعتقاد لازمی ہے

ان آیات میں مہاجرین و انصار کے ذکر کے بعد ایک تیسرے گروہ کا ذکر ہے جس میں قیامت تک ہونے والے سب مسلمان شامل ہیں۔ يَقُولُونَ تَرْكِبُ نَحْوِي میں جملہ حالیہ ہے جس کا مطلب یہ نکلا کہ اس تیسری جماعت کو اسلام میں داخل ہوتے ہی مہاجرین و انصار کی فضیلت کا اعتقاد اور ان کا ذکر خیر کرنا چاہیے۔ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ کا مطلب یہ ہے، شخص سابق ما بعد والوں کے ایمان کا سبب بنا ہو۔ یہ صفت تمام صحابہ کرام اور خصوصاً مہاجرین اور انصار میں اظہر من الشمس ہے۔ وہی تمام دنیا میں اشاعت اسلام کا سبب ہوئے ہیں۔

لَا تَجْعَلْ۔ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ تیسری جماعت کے دل میں مہاجرین و انصار کی عداوت نہیں۔ بلکہ یوں فرمایا کہ یہ تیسری جماعت کے لوگ ہم سے دعا مانگتے ہیں کہ الہی مہاجرین و انصار کی عداوت ہمارے دلوں میں نہ رہنے دے۔ یعنی مہاجرین و انصار سے عداوت..... ایسی بری بات ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر نجات

ممکن نہیں ہے۔

مسلمان کی پہچان

اس آیت میں مسلمان کی پہچان یہ بتائی کہ وہ تمام صحابہ کے دعا گو ہیں ان کے سینے صحابہ کے کینوں سے پاک ہیں۔ گویا اس آیت میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مہاجرین و انصار کے مرتبہ کو پہنچائیں اور ان کے لیے دعائے خیر کرتے رہیں۔ استغفار کے لفظ نے یہ بتا دیا کہ بالفرض اگر مہاجرین و انصار سے کوئی خطا ہوئی ہو تو بعد والے مسلمانوں کو ان پر طعن و تشنیع جائز نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لیے استغفار کرنا چاہیے۔

کتب عقائد اہلسنت میں جو یہ لکھا ہے کہ نَكُفُّ عَنْ ذِكْرِ الصَّحَابَةِ إِلَّا بِخَيْرٍ ہم صحابہ کرام کا ذکر بھلائی کے سوا کسی طرح نہیں کرتے۔ اسی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ صحابہ کرام بالخصوص مہاجرین و انصار کی مدح کرنا ان کے فضائل و مناقب کو بیان کرنا بعد والے مسلمانوں کے فرائض سے ہے۔ غور کیجئے آیت بالا میں مسلمانوں کی تین قسمیں بیان فرمائی گئیں ہیں۔ مہاجرین و انصار ان کے بعد پیدا ہونے والے مسلمان۔ معلوم ہوا کہ مہاجرین و انصار کی بدگوئی کرنے والے ان تینوں قسموں سے خارج ہیں۔

مال فقی کے متعلق

دوسری اہم بات ان تینوں سے یہ ثابت ہوئی کہ مال فقی کی مستحق تین جماعتیں ہیں۔ اول مہاجرین دوم انصار سوم ان کے بعد کے وہ مسلمان جو مہاجرین و انصار کے بعد ہوئے، مگر ان کے لیے یہ شرط ہے۔ وہ مہاجرین و انصار کے لیے دعائے خیر کرتے ہوں اور ان کو سابق الایمان کہہ کر ان کی مدح و ثنا کرتے ہوں اور جو ان کے بدگو ہوں، وہ مال فقی کے مستحق نہیں ہیں۔

(۲) مال فنی وہ مال ہے جو بغیر لڑائی کے کافروں سے حاصل ہو۔ ان آیات میں مال فنی کے مصارف بھی قرآن نے بیان کر دیے کہ اس کے مستحق مہاجرین و انصار اور ان کے بعد والے مسلمان ہیں۔

ظاہر ہے کہ فدک بھی مال فنی سے تھا، کیونکہ یہ کفار سے بغیر لڑائی کے حاصل ہوا تھا۔ لہذا فدک کے حقدار بھی بحکم قرآن مہاجرین و انصار اور وہ مسلمان ہیں جو انصار و مہاجرین..... سے محبت رکھیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فیصلہ

آیات مذکورہ بالا کی تفسیر کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشادات بھی سن لیجئے جو آیات مذکورہ بالا کی تفسیر ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(۶) لَقَدْ رَأَيْتُ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا أَرَى أَحَدًا مِنْكُمْ يُشْبِهُهُمْ لَقَدْ كَانُوا يُصْبِحُونَ شُعْثًا غُبْرًا وَقَدْ بَاتُوا سَجْدًا وَقِيَامًا يَرَاوِحُونَ بَيْنَ جَبَاهِهِمْ وَخُدُودِهِمْ وَيَقْفُونَ عَلَىٰ مِثْلِ الْجَمَرِ مِنْ ذِكْرِ مَعَادِهِمْ كَانَ بَيْنَ أَعْيُنِهِمْ رُكْبُ الْمُعْزَىٰ مِنْ طَوْلِ سُجُودِهِمْ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ هَمَلَتْ أَعْيُنُهُمْ حَتَّىٰ قَبْلَ جَيُوبِهِمْ وَمَادُوا كَمَا يَمِيدُ الشَّجَرُ يَوْمَ الرِّيحِ الْعَاصِفِ خَوْفًا مِنَ الْعِقَابِ وَرَجَاءً لِلثَّوَابِ۔ (نہج البلاغہ ۱۹۰)

”البتہ دیکھا ہے میں نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور تم میں سے کسی کو ان کے مشابہ میں نہیں دیکھا (یعنی ان کا درجہ بہت بلند ہے) صبح کو میدانِ جہاد میں اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے غبار آلود ہوتے تھے، تو راتوں کو دربارِ خداوندی میں سجدوں میں مشغول نظر آتے تھے یکے بعد دیگرے اپنے رخسار اور اپنی پیشانیاں زمین پر باری باری سے رگڑتے تھے اور قیامت کے خوف سے اس طرح کھڑے ہوتے تھے جس طرح کوئی شخص آگ کے انگارے پر کھڑا بیقرار نظر آتا ہے، لمبے سجدوں کی وجہ

سے پیشانی پر داغ نمایاں تھے۔ جب ان کے آگے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا تھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے حتیٰ کہ ان کے گریبان بھیگ جاتے تھے۔ اور خوفِ خدا سے اس طرح ہلتے تھے۔ جس طرح تیز اور تند ہوا میں درخت ہلتا ہے۔ وہ لوگ عذاب سے خائف تھے اور ثواب کے امیدوار تھے۔“

خلفائے ثلاثہ کی خلافت حق ہے

جب آیات قرآنیہ سے مہاجرین و انصار کا مومن مسلمان ہونا ثابت ہو گیا، تو اب سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد حق کو ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں:

وَأَنَّمَا الشُّرَىٰ لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَإِنْ اجْتَمَعُوا عَلَىٰ رَجُلٍ وَسَمُّوهُ إِمَامًا تَكَانَ ذَلِكَ لِلَّهِ رِضًا۔ (نہج البلاغہ ج ۳ ص ۸)

”شوریٰ کا حق تو صرف مہاجرین و انصار کو ہے۔ اگر دونوں (مہاجرین و انصار) کسی ایک شخص کی امامت یا خلافت پر اکٹھے ہو جائیں اور اس کو امام بنالیں تو اس میں اللہ کی رضا ہوتی ہے۔“

جناب شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فیصلہ فرما دیا کہ مہاجرین و انصار جسے خلیفہ مقرر کر لیں اس میں اللہ کی رضا ہے۔ حضرت صدیق و فاروق و عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو مہاجرین و انصار ہی نے خلیفہ منتخب کیا تھا۔ لہذا ان کی خلافتوں میں رضاء الہی کا ہونا ثابت ہوا اور جن کی خلافت میں اللہ کی رضا ہو۔ وہ خلافت حق اور خلافت راشدہ ہی ہوتی ہے۔

صحابہ کرام کے متعلق قرآنی تصریحات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِهِمْ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَانْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (آل عمران ۴)

بہ تحقیق احسان کیا اللہ نے ایمان والوں پر جب کہ بھیجا ان میں ایک رسول انہیں کے جنس سے جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔
(۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کی بعثت کو اپنا احسان قرار دیا اور جو فوائد آپ کی ذات مبارک سے مخلوق خدا کو حاصل ہوئے۔ ان کو بیان فرمایا ہے۔ جن میں ایک فائدہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو پاک کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ پاک کرنا ظاہر جسم کا پاک کرنا نہ تھا اور نہ ظاہر جسم کا پاک کرنا کوئی ایسی چیز ہے۔ جو سید الانبیاء ﷺ کے اوصاف میں ذکر کی جائے اور خدا وید عالم جل شانہ اس کو اپنے انعامات و احسانات میں شمار فرمائے۔ ظاہری جسم کی پاکی تو ہر شخص خود وضو یا غسل سے حاصل کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ پاک کرنا باطن کا تھا کہ آپ کی صحبت سے آپ کی توجہ سے لوگوں کے قلوب پاک ہوتے تھے۔ لوگوں کے نفوس سے بری عادات و خصائل کفر و شرک کی ظلمت و نجاست کا ازالہ ہوتا تھا۔

احادیث میں سینکڑوں واقعات اس قسم کے ملتے ہیں کہ کوئی کافر آپ کی خدمت میں، جو شرک و کفر کی نجاست میں سر سے پاؤں تک ڈوبا ہوا، اور اسلام کی عداوت سے اس کا سینہ بھر ہوا آیا اور چشم زدن میں آپ کی توجہ اس میں انقلاب عظیم پیدا کر دیتی تھی اور وہ مسلمان ہو کر دین الہی کی محبت میں سرشار ہو جاتا تھا۔

اسی آیت کی بنا پر اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کل کے کل نہایت مقدس اور نہایت مزل کی تھے اور زمانہ بعد کا کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی ان کے رتبہ کو نہیں پا سکتا۔ وہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے پاک کیے ہوئے تھے۔ اگر کوئی روایت

ان کے تقدس کے خلاف ملے، تو یقیناً جعلی ہے اور قرآن مجید کے خلاف ہونے کے باعث مردود ہے اور اگر تینوں خلفاء اور ان کے ساتھیوں کو مرتد و منافق اور ظالم و عاصب مان لیا جائے تو (معاذ اللہ) پھر حضور ﷺ کی صفت تزکیہ باقی نہیں رہتی۔ بلکہ آیت کی تکذیب لازم آتی ہے..... اور اگر یہ کہا جائے کہ آیت بالا میں جمع کے الفاظ سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اکیلی ذات مراد ہے۔ حضور ﷺ نے صرف انہیں کو پاک کیا تھا۔ تو جواب یہ ہے کہ بقول مخالفین صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی گمراہی میں نہ تھے اور آیت یہ بتا رہی ہے کہ جو لوگ صریح طور پر گمراہ تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں پاک فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دو چار اور افراد کو بھی مومن مانا جاتا ہے۔ لیکن اول تو ان کا ایمان حسب روایات مخالفین کامل نہ تھا۔

چار پانچ اشخاص کی پاکی کوئی ایسی غیر معمولی اہمیت نہیں رکھتی جس کا قرآن میں ذکر اس اہتمام سے کیا جائے۔ خصوصاً جب کہ ایک بڑا گروہ جو ہر وقت آپ کی صحبت میں رہتا تھا۔ اس کو آپ (معاذ اللہ) پاک نہ کر سکے۔ جس طبیب کے زیر علاج ایک لاکھ مریض ہوں ان میں سے اگر تین چار مریض شفا پائیں اور باقی سب اسی طرح اپنے مرض میں مبتلا رہ کر ہلاک ہو جائیں تو وہ طبیب ہرگز لائق تعریف نہیں ہو سکتا اور ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے ہاتھ میں شفا ہے۔

(۲) صحابہ کرام کے علم کی عظمت بھی اس آیت سے معلوم ہوتی ہے جن کو رسول خدا ﷺ نے خود قرآن کی تعلیم دی ہو۔ ان کے برابر کس کا علم ہو سکتا ہے۔ یہ ہی مضمون قرآن مجید کی متعدد آیات میں بیان ہوا ہے۔

سورہ آل عمران میں قریب قریب الفاظ یہ ہیں۔
وَ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلْفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ

مِنْهَا۔ (آل عمران ۴)

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تم باہم دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی پس تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ خدا نے تم کو اس سے نجات دی۔“

هُوَ الَّذِي ابْدَكَ بَنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَالْكَفَّ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتُ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مَا اَلْفَتُ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ اَلَفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

(انفال پ ۱)

وہی اللہ ہے جس نے اے نبی آپ کو اپنی مدد سے اور ایمان والوں سے قوت دی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ اگر آپ تمام روئے زمین کی دولت خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔ لیکن اللہ نے ان میں باہم الفت پیدا کر دی۔ بیشک وہ غالب حکمت والا ہے۔ اے نبی اللہ آپ کے لیے کافی ہے اور جو ایمان والے آپ کے پیرو ہو چکے ہیں۔“

ان آیات میں صحابہ کرام کے جو فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں۔ ان کے تسلیم کر لینے کے بعد صحابہ کرام اور خصوصاً حضرات خلفاء ثلاثہ پر طعن کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

اسلام سے قبل صحابہ کرام میں عداوت تھی

دونوں آیتوں میں جو بات بیان فرمائی گئی ہے ان میں مضمون مشترک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اسلام لانے سے پہلے صحابہ کرام میں ایسی سخت و شدید عداوت تھی جسے دور کرنا انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محترم حضور سید عالم نور مجسم ﷺ کے وجود اطہر کے ذریعے اپنی قدرت کاملہ سے اس عداوت

کو دور کر کے ان میں ایسی محبت و الفت پیدا فرمادی کہ یہ سب بھائی بھائی ہو گئے اور ان کی اس باہمی الفت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت قرار دیا۔

اسلام کے بعد صحابہ میں عداوت باقی نہ رہی

قرآن مجید نے صحابہ کرام کی اس باہمی محبت کو متعدد دیگر آیات میں بھی بیان فرمایا ہے۔ رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ اِذْ لَوْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اس لیے یہ کہنا اور عقیدہ رکھنا کہ صحابہ کرام میں اسلام لانے کے بعد بھی دیرینہ عداوتیں بدستور باقی رہیں۔ بنی امیہ و بنی ہاشم کی خاندانی کدورتوں کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو پہلی خلافت نہ مل سکی۔ قرآن کی تصریحات کے خلاف ہی ہے۔

مخلصین صحابہ بھی کثیر تعداد میں تھے

ان دونوں آیتوں سے یہ بھی واضح ہوا کہ مخلصین صحابہ کی ایک بڑی جماعت تھی اس لیے یہ کہنا کہ صرف چار پانچ افراد مخلص تھے۔ باقی سب منافق تھے (معاذ اللہ) قرآن مجید کی کھلی ہوئی تکذیب ہے کیونکہ جن چار افراد کو مخلص قرار دیا جاتا ہے، ان میں نہ تو پہلے کوئی عداوت تھی اور نہ ان چار پانچ میں محبت پیدا کر دینا ایسا اہم کام ہے جسے قرآن میں بیان کیا جاتا اور اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ قرار دیا جاتا ہے۔

میںوں خلفاء مومن کامل تھے

حضرات خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مومن کامل اور خلیفہ برحق نہ ماننے سے قرآن مجید کی تکذیب لازم آتی ہے۔ ورنہ کوئی بتا دے کہ وہ کون لوگ تھے ان میں اسلام سے قبل ایسی عداوت تھی جو کسی طرح زائل نہ ہو سکتی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی عداوت کو دور کر کے انہیں بھائی بھائی بنا دیا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حضور ﷺ کی حیات مبارک میں بیشک ان کی عداوتیں

صحابہ کے دلوں میں ایمان رچ بس گیا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَأَعْلَمُوا أَن فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضَلَّاهُمُ اللَّهُ وَنَعَّمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ۔ (حجرات ۲۶)

اور اے مسلمانوں جان لو کہ یہ تحقیق تمہارے درمیان اللہ کا رسول ہے۔ اگر وہ ائمہ باتوں میں تمہارا کہنا مان لیا کرے تو تم تکلیف میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں رچا دیا ہے اور کفر و فسق و نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا ہے یہی لوگ راشد یعنی ہدایت یافتہ ہیں اللہ کی بخشش اور احسان سے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ (فتح ۲۶)

پھر اللہ نے اپنا سکینہ اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر نازل کیا اور صفت تقویٰ ان کے لیے لازم کر دی اور وہ اس انعام کے سب سے زیادہ مستحق اور سزاوار تھے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے لیے اور دوسری آیت میں مسوویت کے ساتھ اہل حدیبیہ کے لیے چند ایسی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ جن کی نظیر کسی اور میں نہیں مل سکتی۔

(۱) ان کو ایمان سے قلبی محبت ہے۔

(۲) ایمان ان کے دلوں میں رچ بس گیا ہے۔

زائل ہو گئیں تھیں۔ اور وہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہو گئے تھے مگر آپ کی وفات کے بعد ان میں وہ عداوتیں پھر لوٹ آئیں۔ لہذا آیت کا مضمون درست ہے۔ اور ہمارا عقیدہ آیت کے خلاف نہیں ہے۔

جواب یہ ہے یہ بات مخالفین صحابہ کے مسلمات کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اول روز ہی سے صحابہ کرام کو مومن نہیں مانتے۔ کہتے ہیں کہ منافقانہ ایمان لائے ہیں ثانیاً جو نعمت اتنی قلیل مدت کے لیے ان کو ملی اور پھر ان سے چھین لی گئی۔ ایسی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا احسان جتنا اور اسے بڑے اہتمام سے قرآن میں بیان فرماتا۔ خداوند عالم الغیب کی شان سے بعید ہے۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں مضمون غیر مشترک یہ ہے کہ: پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے اصحاب نبی تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ خدا نے تم کو اس سے نجات دی اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اے نبی آپ کی مدد کے لیے وہ مومنین کافی ہیں۔ جو آپ کے پیرو ہو چکے ہیں ان دونوں مضمونوں کی تصدیق مخالفین صحابہ کرام کے مذہب کی تعلیم پر ناممکن ہے۔ کیونکہ تینوں خلفاء کے مومن اور خلیفہ برحق نہ ہونے سے تمام صحابہ کرام کو باستثناء چار پانچ اشخاص کے منافق و مرتد ماننا پڑتا ہے۔ لہذا وہ دوزخ سے نجات یافتہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

بعبارت دیگر خدا جس کے نجات یافتہ ہونے کی خبر دے وہ منافق و مرتد نہیں ہو سکتا۔ نیز اگر معاذ اللہ تمام صحابہ کرام مرتد قرار دیے گئے۔ منافق مانے گئے، تو چار پانچ اشخاص حضور ﷺ کی مدد کے لیے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تنہا اگر مدد کے لیے کافی ہوتے، تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کیوں کر لیتے۔ بقول مخالفین صحابہ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جبراً بیعت لی گئی، تو ان کے مددگار کامل نہ ہونے کی دلیل ہے۔

(۳) کفر و فسق اور ہر قسم کے گناہ سے ان کو دلی نفرت ہے۔

(۴) وہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

(۵) ان پر سکینہ نازل ہوا۔

(۶) صفتِ تقویٰ ان کے لیے لازم ہے۔ یعنی ان سے جدا نہیں ہو سکتی۔

(۷) یہ لوگ اس عظیم الشان انعام کے سب سے زیادہ مستحق اور سزاوار تھے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جن کے ایسے عظیم الشان اوصاف بیان فرمائے، کوئی

صاحبِ ایمان یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ان سے ایمان کے خلاف کوئی حرکت صادر

ہو۔ اگر کوئی صاف نا انصافی پر کمر باندھ کر کہیں کہ ان تمام اوصاف کا حامل مانتے

ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ مخالفین صحابہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معصوم مانتے ہیں اور ان

آیات میں جو صفات جن حضرات کے بیان ہوئے ہیں۔ ان کا غیر معصوم ہونا بھی ان

آیات سے ثابت ہے کیونکہ آیت اول میں یہ فرمایا گیا ہے کہ رسول اگر اکثر باتوں میں

تمہارا کہنا مان لیں۔ تو تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ تو اگر یہ حضرات جن کے اوصاف بیان

ہوئے ہیں۔ معصوم ہوتے تو ان کا کہنا مان لینے سے کبھی کوئی خرابی نہیں پیش آ سکتی۔

الغرض ان آیات کے ہوتے ہوئے تاریخ و سیر کی لاکھوں روایتیں صحابہ کرام

سے خلاف ایمان و تقویٰ کسی حرکت کا صادر ہونا بیان کریں، تو اہل ایمان کا یہ فرض ہے

ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے، کیونکہ قرآن مجید کے خلاف تاریخ و سیر کی کوئی

بات قبول نہیں ہو سکتی۔

وَأَنْ يَكْفُرُ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ۔

(انعام ۷)

اگر یہ لوگ یعنی کفار مکہ نبوت کا انکار کریں (تو کچھ پروا نہیں)۔ بہ تحقیق ہم نے

اس پر اس قوم کو مقرر کیا ہے جو اس کے ساتھ کفر کرنے والی نہیں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی تعریف فرمائی ہے اور یہ کہ وہ قوم انبیاء

کرام کی نبوت کا انکار (کفر) کرنے والی نہیں رہی۔ یہ بات کہ اس قوم سے کون لوگ

مراد ہیں، تو یہ بھی بالکل واضح ہے۔ کیونکہ سورہ انعام مکی ہے قبل ہجرت نازل ہوئی۔

معلوم ہوا کہ قوم سے مہاجرین کی جماعت مراد ہے جو ہجرت سے پہلے ہی مشرف

اسلام ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کو اپنا مقرر کیا ہوا اس لیے قرار دیا

کہ اس سعادتِ عظمیٰ کی توفیق ان کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملی ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ

وَطَائِفَةٌ مِّنَ اللَّيْلِ مَعَكَ۔ (مزل ۲۹)

بہ تحقیق (اے نبی) آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ قریب دو تہائی رات کے

خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کبھی ایک تہائی رات اور ایک گروہ ان لوگوں میں سے جو

آپ کے ساتھ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور سید عالم رضی اللہ عنہ کی کثرت عبادت کا تذکرہ

فرمایا ہے اور آپ کے ساتھ والوں میں سے دو چار نہیں۔ بلکہ ایک گروہ کو اس صفت

میں آپ کے ساتھ شامل کیا ہے۔ سورہ مزل مکی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ تعریف اصحاب

مہاجرین کی بیان ہو رہی ہے۔ صحیح روایات سے واضح ہے کہ زہد اور کثرت عبادت کی

صفت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں سب سے زیادہ تھی۔ خدا کی قدرت اور حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کرامت کہ فروع کافی جلد دوم صفحہ ۴ میں ایک طویل ایک طولانی

حدیث اس مضمون کی ہے کہ کچھ صوفی لوگ امام جعفر صادق کے پاس آئے۔ امام

ممدوح نے ان کو کچھ نصیحتیں کیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت سلیمان اور حضرت ابوذر راور

حضرت ابوبکر صدیق کا ذکر کیا اور فرمایا هَؤُلَاءِ وَقَدْ قَالَ فِيهِمْ رَسُولُ اللَّهِ مَا قَالَ

یعنی ان لوگوں سے بڑھ کر زہد کون ہو سکتا ہے اور بہ تحقیق رسول خدا رضی اللہ عنہ نے ان کے

حق میں فرمایا ہے جو کچھ فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی کثرت عبادت کا تذکرہ متعدد آیات میں کیا ہے۔ آیت معیت میں **رُكْعًا سَجْدًا** فرمایا۔ آیت میراث ارض میں قوم عابدین فرمایا۔ آیت استخلاف میں **يَعْبُدُونَنِي** ارشاد فرمایا آیت تمکین میں اقامہ الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فرمایا۔

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ۔ (ہمس ۳۰)

یہ تحقیق یہ ایک نصیحت ہے جو چاہے اس کو یاد کرے ان باعزت صحیفوں میں جو بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں اور بزرگ نیکوکار لکھنے والوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں۔

اس آیت میں حضور سید عالم نور مجسم ﷺ کے اصحاب کرام کی تعریف ہے۔ ان کو بزرگ اور نیکوکار فرمایا گیا ہے۔ یہ ان صحابہ کرام کی بات ہے جو قرآن مجید کی کتابت کرتے تھے۔ جیسے حضرت عثمان، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

اس آیت کی تفسیر میں **سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ** سے فرشتوں کو مراد لینا سیاق و قرآن کے مطابق نہیں کیونکہ اللہ عز وجل نے فرمایا ہے کہ یہ نصیحت ان پاکیزہ ورقوں میں ملے گی۔ جو بزرگ نیکوکار لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ فرشتوں کے ہاتھ میں جو چیز ہے۔ وہ انسانوں کی نظر سے غائب ہے۔ اس سے نصیحت کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔

وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا۔ (ہمر ۳۰)

اور دیکھا اے نبی آپ نے لوگوں کو داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوجوں کی فوجیں۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو انعام ذکر فرمائے ہیں۔ اول فتح مکہ دوم لوگوں کا بکثرت دین الہی میں داخل ہونا۔ پھر ان انعامات پر حضور اکرم ﷺ کا

ہر ادا کرنے کا حکم دیا ہے ظاہر ہے کہ مخالفین صحابہ کرام کے مذہب کی بناء پر کسی طرح یہ آیت صادق نہیں ہو سکتی کیونکہ آیت بتا رہی ہے کہ فوجوں کی فوجیں دین الہی میں داخل ہوئیں اور مخالفین صحابہ کا مذہب یہ تعلیم دیتا ہے کہ صرف محدودے چند صدق دل سے مسلمان ہوئے تھے۔ باقی سب منافقانہ طور پر اظہار اسلام کرتے تھے اور وہ بھی حضور کے بعد معاذ اللہ مرتد ہو گئے۔

بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ محدودے چند لوگوں کو افواج کے لفظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے یا منافقانہ طور پر اظہار اسلام کرنے کو دین الہی میں داخل ہونا کہا جاسکتا ہے؟ اور پھر یہ منافقانہ اسلام اور وہ بھی چند روز کے لیے انعام الہی میں شمار ہو سکتا ہے؟

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا۔

وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام الہیہ پیچھے حاکم کر دے گا، ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا۔ ان سے اگلوں کو اور جمادے گا۔ ان کے لیے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا۔ ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن، میری بندگی کریں گے۔ شریک نہ کریں گے میرا کسی کو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے مومنین، مخلصین سے تین نعمتوں کا وعدہ فرمایا:

(۱) استخلاف فی الارض

(۲) تبدیل خوف

(۳) تمکین دین

ظاہر ہے کہ اس وقت کے کلمہ گویان میں سے خلافت ہر چہار خلفائے راشدین ہی کو ملی۔ البتہ تبدیل خوف کی دولت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میسر نہ آسکی کہ ان کا دور شورش اور باہمی اختلاف سے خالی نہیں رہا۔ مخالفین صحابہ کی معتبر روایات سے واضح ہے کہ معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں بھی اپنا اصل دین نہ ظاہر کر سکے جس کا مطلب یہ ہوا کہ تمکین دین سے بھی آپ کا عہد مبارک خالی رہا (معاذ اللہ) اندریں حالات اس آیت کے پورے پورے مصداق حضرت خلفائے ثلاثہ ہی ہوئے اور اس طرح ان کا ایمان اور خلافت دونوں اس آیت سے صراحتاً ثابت ہوتے ہیں۔ اگر بالفرض حضرات ثلاثہ کو اس آیت کا مصداق نہ مانا جائے، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا نہ ہوا، اور کلام الہی کی پیش گوئی غلط ٹھہری، کیونکہ سوائے ان حضرات کے اس وقت کے مسلمانوں میں سے کسی کو خلافت نہیں ملی اور وعدہ اسی وقت کے مسلمانوں سے مخصوص ہے جس کی دلیل لفظ مِنْكُمْ ہے جو حاضر کی ضمیر ہے لغت اور اصول فقہ دونوں کے لحاظ سے حاضر کی ضمیر حاضر ہی سے مخصوص ہوتی ہے۔ ہاں آیات احکام میں حاضر کے ساتھ غائب کو خارجی دلیل سے شامل کر لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ فن کے سمجھنے والوں سے مخفی نہیں (اور اہلسنت تو یہ مانتے ہی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت حقہ بھی اس آیت سے ثابت ہے)۔

لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُورِجُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِبَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَادِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا تُقِفُوا أُخِذُوا وَقِيلُوا اقْتُلُوا

البتہ اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دل میں روگ ہے اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں تو ہم لگا دیں گے۔ تجھ کو ان کے پیچھے پھر نہ رہنے پائیں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے دنوں پہنکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے

گئے اور مارے گئے جان سے۔

اگر حضرات خلفائے راشدین نعوذ باللہ مرض نفاق میں مبتلا ہوئے، تو وہ اس آیت کی رو سے لازمی طور پر چند روز سے زیادہ مدینہ منورہ میں نہ رہ سکتے اور وہ بھی ذلت کے ساتھ جیسا کہ لفظ ملعونین کا تقاضا ہے، حالانکہ وہ تمام زندگی بڑی عزت و شوکت سے مدینہ الرسول میں رہے سہے اور آج بھی حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی گنبد خضرا میں محو استراحت ہیں۔

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِي الثَّانِينَ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔

اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکلا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس آیت میں اس قابل رشک رفاقت و جانبازی کا بیان ہے، جو ہجرت کے سفر میں حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔ تمام قرآن میں کسی صحابی کی اس تشخیص و تعین اور تصریح سے فضیلت بیان نہیں ہوئی۔ جیسی اس آیت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل فضائل کا بیان ہے۔

(۱) اس آیت میں آپ کو صاحب الرسول کے عہدہ ترین لقب سے ملقب کیا گیا۔

(۲) ایسے نازک ترین اور پر صعوبت سفر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ ان کی زبردست قربانی اور بے نظیر جانبازی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے علاوہ کسی اور کو ساتھ نہ لینا اور اپنی رفاقت اور ہر کامیابی کے لیے انہی کو منتخب کرنا، جہاں ان کے سراپا اخلاص اور کمال ایمان کی روشن ترین دلیل ہے۔

”اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں۔ اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مخلصین صحابہ کی بڑی جماعت تھی اور یہ کہنا کہ مخلص صحابہ کل چار پانچ تھے۔ باقی سب منافق تھے۔ قرآن پاک کی تصریح کے خلاف ہے۔ اگر کہا جائے کہ صرف چار پانچ ہی مخلص صحابہ مراد ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ ان چار پانچ میں تو کوئی عداوت نہ تھی۔ جسے محبت سے بدلا گیا اور نہ ہی دو چار افراد میں الفت پیدا کرنا کوئی ایسا کارنامہ ہے جسے اہتمام سے ذکر کیا جائے۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَلَٰكِنَّا اللَّهُ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ۔ (آل عمران ۱۸)

”اللہ مسلمانوں کو اس حال پر نہیں چھوڑے گا جس پر تم ہو۔ حتیٰ کہ خبیث کو طیب سے جدا نہ کرے اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عالم لوگو! تم کو غیب کا علم دے، لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔“

(۱) اس آیت میں خاص حضور اکرم ﷺ کے زمانہ کے مومنوں کو خطاب ہے۔

(۲) ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن اور منافق کو جدا جدا کر دے اور سب کو معلوم ہو جائے کہ منافق کون ہے اور مومن کون۔

(۳) اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ عام لوگوں کو غیب کا علم عطا فرما دے۔ بلکہ وہ اپنے رسولوں میں جسے چاہے چن لیتا ہے۔

(۴) ظاہر ہے نفاق ایک پوشیدہ چیز تھی جب تک اللہ عز وجل اس کی کسی کو اطلاع نہ دے کسے معلوم ہو سکتا تھا کہ فلاں مومن ہے اور فلاں منافق ہے؟ تو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب ہم مومن اور منافق کو جدا جدا کر دیں گے تو اپنے محبوب رسول ﷺ کو اس کا علم بھی عطا فرمایا کہ فلاں مومن ہے اور فلاں منافق ہے۔

(۵) اس آیت سے قطعی طور پر اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں جو مخلص مومن تھے وہ بھی اور جو منافق تھے وہ بھی حضور ﷺ کے علم میں تھے۔ اسی لیے جب مومن و منافق کو جدا کرنے کا اعلان فرمایا تو اس کے بعد یہ بھی فرما دیا کہ ہم اپنے مخصوص رسولوں کو غیب کا علم عطا فرماتے ہیں جس سے واضح ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ عز وجل نے بتا دیا تھا کہ کون منافق ہے اور کون مومن ہے یہ ہی وجہ تھی۔ ایک دن نماز کے بعد حضور ﷺ نے مسجد میں نمازیوں کی صفوں میں سے جن جن کران اشخاص کو مسجد سے باہر نکال دیا۔ جو منافق تھے۔ (بخاری)

اس کے بعد اس آیت پر غور کیجئے۔ اللہ عز وجل حضور اکرم ﷺ کو حکم فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا وَاهُمْ جَهَنَّمَ وَبُنْسِ الْمَصِيرُ۔

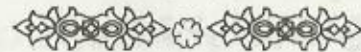
”اے نبی! کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے، کیونکہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔“

اس آیت میں کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کا حکم دیا گیا ظاہر ہے کہ جب اللہ نے جہاد کا حکم دیا تو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور ﷺ کو منافقوں کا علم نہ ہو اور آپ کو ان سے جہاد کا حکم دے دیا جائے۔

اس آیت میں ایک تو یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوئی کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقوں سے جہاد کا حکم دیا تو یہ بھی بتا دیا کہ فلاں فلاں منافق ہیں۔“

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ خلفائے ثلاثہ صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) منافق ہوتے، تو حضور ﷺ ضرور ان سے جہاد فرماتے۔ لیکن حضور ﷺ نے جہاد تو درکنار حضرات خلفائے ثلاثہ کو اپنے ساتھ رکھا۔ ان کے فضائل بیان کیے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بوقت ہجرت کے خدا کے حکم سے اپنے ساتھ لیا۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں ان کو بیعت کیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی حیات مبارکہ میں اپنے مصلیٰ پر نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کیا۔ یہ سب امور اس بات کی زبردست دلیل ہیں کہ حضرات خلفائے ثلاثہ یقیناً منافق نہ تھے۔ بلکہ مومن مخلص تھے اور حضور ﷺ کو ان کے اخلاص و ایمان پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ جو یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو علم تھا کہ خلفائے ثلاثہ منافق ہیں۔ مگر بعض مصلحتوں کی وجہ سے حضور ﷺ نے ان پر سختی نہ کی۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا کہنا حضور ﷺ کی سخت توہین ہے اس لیے کہ جب خداوند قدوس نے صراحتاً بلا کسی قید کے منافقین سے جہاد کا حکم دے دیا، تو اب مصلحتوں کی بناء پر ان سے جہاد نہ کیا اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنا ہوگا، جو حضور ﷺ قطعاً حتمی محال ہے۔ لہذا ایسا کہنا تو حضور ﷺ پر زبردست الزام قائم کرنا اور آپ کی توہین کرنا ہے۔ ثانیاً بفرض محال اگر مصلحتوں کی بناء پر جہاد نہیں کیا، تو پھر کم از کم یہ تو نبی کریم ﷺ کا فرض تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے مصلیٰ پر کھڑا نہ کرتے۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کر دیتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو موجود ہی نہ تھے۔ ان کو بیعت ہی نہ فرماتے اور اعتراض ہوتا۔ تو جواب دے دیتے کہ تم موجود ہی نہ تھے۔ بیعت کیسے کرتا۔ مگر سبحان اللہ حضور ﷺ نے اپنے عمل و کردار سے اور اپنی زبان مبارک سے خلفائے ثلاثہ کے کامل ایمان اور مخلص مسلمان ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ تاکہ کسی مخالف کو زبان درازی کی گنجائش نہ رہے۔



خلفائے اربعہ..... غزوہ بدر میں

بدر کفر و اسلام کی سب سے پہلی لڑائی ہے۔ یہ وہ لڑائی ہے جس میں مجاہدین اسلام کی امداد کے لیے آسمان سے فرشتوں کی فوجیں اتری تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے جب صحابہ سے اس لڑائی کے متعلق مشورہ لیا۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جان نثارانہ فقرے کہے تھے اور صحابہ نے عرض کی تھی۔ حضور ﷺ اگر حکم ہو تو ہم سمندر میں کود جائیں۔ ۱۲ رمضان کو حضور ﷺ ۳۱۳ جان نثاروں کے ہمراہ شہر سے روانہ ہوئے قدوسیوں کی یہ جماعت جو ۳۱۳ افراد پر مشتمل تھی۔ بظاہر بے سروسامان تھی اور دوسری طرف ایک ہزار کا لشکر جبار تھا۔ ایک طرف نور تھا۔ دوسری طرف ظلمت، ایک طرف حق تھا۔ دوسری طرف باطل، ایک جانب اسلام تھا۔ دوسری جانب کفر اسی لیے قرآن نے اس کو یوم الفرقان کہا:

إِطْلَعَ اللَّهُ عَلَىٰ أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ إِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔

(ابوداؤد)

”اللہ عزوجل نے اہل بدر کو رحمت کی نظر سے دیکھا اور فرمایا، اب تم جو چاہو کرو میں تم کو بخش چکا۔“

قرآن میں اللہ عزوجل نے واقعہ بدر کو بیان فرمایا اور اہل بدر کے متعلق تصریح فرمائی:

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَيْنِ تَفَاتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ

کافِرَةٌ۔ (آل عمران)

”ان دونوں گروہوں میں جو آمنے سامنے مقابل تھے۔ اللہ کی نشانیاں ہیں ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر تھا۔“

دیکھو بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کو قرآن نے مجاہد فی سبیل اللہ کہا اور ان کے کامل الایمان ہونے کی ڈگری دے دی اور مقابل گروہ کو واضح لفظوں میں کافر فرمایا۔

لڑائی ہونے سے پہلے ان ۳۱۳ افراد پر نیند طاری کی گئی آسمان سے پانی برسایا گیا اور ان کے دلوں میں مزید ایمان و ایقان کی شمعیں روشن کی گئیں۔

قرآن مجید میں فرمایا:

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسُ أَمَنَةً مِنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ۔

”جب تمہاری تسکین کے لیے تم پر اونگھ طاری کر دی اور آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے اور تم سے شیطان کی ناپاکی دور کرے۔“

دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان ۳۱۳ مجاہدین اسلام پر ان کی تسکین قلب کے لیے ہم نے ان پر نیند طاری کر دی۔ آسمان سے رحمت کا پانی ان پر برسایا اور ان کے دلوں کو شیطان کی ناپاکی سے دور کر دیا بتائیے جن کے دلوں کو اللہ نے شیطان کی ناپاکی سے پاک کر دیا۔ اُن میں بھی نفاق آسکتا ہے، جس کو خدا مومن بنا دے؟ اس کو کوئی طاقت بے ایمان کر سکتی ہے؟

جب ان مجاہدوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفَلَاحِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ۔

”جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو تمہارے رب نے تمہاری فریاد سن لی۔ اور تمہاری امداد کے لیے ایک ہزار فرشتوں کی فوج نازل فرمائی۔“

غور کرو یہ تین سو تیرہ افراد اللہ کو کتنے محبوب تھے کہ جب انہوں نے بارگاہ خداوندی میں فریاد کی تو اللہ عز و جل نے ان کی فریاد کو فوراً سنا اور ان کی امداد کے لیے فرشتوں کی فوجیں اتار دیں۔ جن کی امداد کے لیے فرشتے نازل ہوں۔ وہ بھی منافق ہو سکتے ہیں؟

اصحاب بدر

واضح ہو کہ غزوہ بدر میں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم شریک ہوئے۔ قرآن نے واضح لفظوں میں شرکاء بدر کو مومن اور مخلص مسلمان مجاہد فی سبیل اللہ قرار دیا۔ کیا قرآن کی شہادت کے بعد بھی کسی کی شہادت کی ضرورت رہ جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بات تو تسلیم ہے کہ خلفائے ثلاثہ بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے۔ مگر قرآن میں یہ بھی تو ہے کہ:

إِنَّ قَرِيبًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَاذِبُونَ۔

”مومنین کا ایک گروہ شرکت غزوہ بدر کو ناگوار خیال کرتا تھا۔“

یعنی بعض مومنین ایسے بھی جو غزوہ بدر سے جی چراتے تھے، مخالف کہتے ہیں خلفاء ثلاثہ اسی گروہ میں شامل تھے۔ چنانچہ ملا مجلسی نے حیات القلوب میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

”موافق روایات سابق معلوم است کہ ایں کنایات بابو بکر و عمر است کہ کارہ

بودند جہاد را۔“

جواب: اول یہ کہ قرآن نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا نام نہیں لیا۔ پھر آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ غزوہ بدر میں شریک ہونے سے گریز کرنے والے ابوبکر و عمر تھے؟ جب قرآن نے ابوبکر و عمر کا نام نہیں لیا، تو محض اپنے قیاس فاسد سے ان حضرات کو مراد لینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے نیز آپ کا مخالف یہ بھی تو کہہ سکتا ہے کہ ان سے مراد معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی تھے۔

ثانیاً ترکیب نحوی کی رو سے واؤ میں واؤ حالیہ ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جولائی سے جی چراتا ہے۔ یہ موقع عین وہ موقع تھا جب کہ حضور ﷺ مدینہ سے نکل رہے تھے۔ نہ کہ مدینہ سے نکلنے کے بعد، جب کہ آپ آگے بڑھے، کیونکہ واؤ حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے۔ لہذا آیت سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ بعض لوگ جن کے نام قرآن نے نہیں بتائے۔ وہ ایسے ضرور تھے جو مدینہ سے نکلنے سے قبل جنگ سے گریز کرتے تھے اور ظاہر ہے یہ لوگ معصوم نہ تھے جان سب کو پیاری ہوتی ہے۔ اگر باتقصاء بشریت ان کے دلوں میں ایسا خیال آ بھی گیا تو کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ جب یہ جی چرانے والا گروہ میدان میں آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور قرآن نے واضح لفظوں میں اعلان کیا کہ ہزار فرشتوں کی فوج اللہ نے مسلمانوں کی خوشی اور اطمینان کے لیے نازل فرمائی۔

چنانچہ ارشاد ہے:

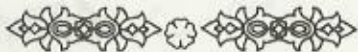
مَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ۔

”خدا نے مسلمانوں کی خوشی اور اطمینان قلب کے لیے ہی ایسا کیا۔“

یعنی اللہ نے ان پر پانی برساکر اور فرشتوں کی فوجیں اتار کر مسلمانوں کے

دلوں کو ثبات بخشا اور ان کو خوش کیا۔ تو اگر بعض شرکاء بدر جنگ میں شریک ہونے سے گریز کرتے تھے۔ تو میدان جنگ میں پہنچ جانے کے بعد اللہ نے ان کو ثبات و اطمینان عطا فرمادیا اور جب خدا نے ان کو ثبات و اطمینان عطا فرمادیا۔ تو اب اعتراض کی کیا گنجائش رہی۔ اعتراض تو اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ جب کہ اللہ کے اطمینان دلانے اور ان کے دلوں کو شیطان کی ناپاکی سے دور رکھنے کے باوجود وہ جنگ سے گریز کرتے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ گریز کا تو پھر اصحاب بدر کو وہم تک نہ ہوا اور حق یہ ہے کہ اگر میدان جنگ میں پہنچ جانے کے بعد بھی اصحاب بدر کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ جنگ سے گریز کرتے رہے تو پھر تو قرآن کی تصریحات جھوٹی ہو جائیں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے ان کو ثبات عطا فرمایا اور بقول مخالف وہ ثابت قدم نہ رہے۔ میدان میں پہنچ کر بھی جنگ سے معاذ اللہ گریز ہی کرتے رہے۔ ایسا کہنا تو صاف طور پر قرآن کی تکذیب کرنا ہے؟

ثالثاً۔ اگر بقول مخالف ہم یہ مان لیں کہ اس آیت سے خلفائے ثلاثہ مراد ہیں (گو کہ خارجی دلائل اور خود قرآن اس کی تردید کرتا ہے) تو پھر بھی صرف بدر میں شرکت سے جی چرانے کی وجہ سے اصحاب ثلاثہ پر کوئی طعن نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ قرآن نے ان پر کوئی اعتراض کیا، بلکہ قرآن نے تو ان کو مومن فرمایا۔ اب یہ تو قرآن کا اعجاز ہے کہ جس آیت سے حضرات خلفائے ثلاثہ کو قصور وار ٹھہرانے کی سعی ناپاک کی گئی۔ اسی آیت سے حضرات خلفائے ثلاثہ کا مومن ہونا ثابت ہو گیا۔ کیونکہ قرآن نے ان لوگوں کے متعلق جو بدر میں شرکت کو ناگوار خیال کرتے تھے، نہ کافر کہا اور نہ منافق اور نہ ان پر کوئی عتاب کیا۔ بلکہ ان کو بھی مومن ہی کہا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین



خلافت و امامت خلفائے راشدین

امامت دو قسم کی ہے، امامت صغریٰ نماز پڑھانے کی امامت کو کہتے ہیں۔ اور جس شخص کو حضور علیہ السلام کے نائب ہونے کی حیثیت سے تمام مسلمانوں کے دینی و دنیوی کام شریعت اسلامیہ کے مطابق انجام دینے کا اختیار ہوا اسے امامت کبریٰ کہتے ہیں۔ جائز کاموں میں امامت کبریٰ کے عہدہ پر فائز کی اطاعت تمام جہان کے مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس عہدہ کے لیے مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ، قادر، مرد، قرشی ہونا شرط ہے۔ ان میں سے ایک شرط بھی کم ہوگی، خلافت صحیح نہ ہوگی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ الائمة من قریش۔ شرط قریشیت پر اجماع بھی ہے۔

(شرح عقائد نسفی و شرح فقہ اکبر)

امامت کبریٰ کے لیے ہاشمی یا علوی یا معصوم ہونا شرط نہیں، کیونکہ معصوم صرف انبیاء ہوتے ہیں، عورت اور نابالغ امام نہیں ہو سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلا فصل امام مطلق، حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر (۲ سال ۳ ماہ) پھر حضرت فاروق اعظم (۱۰ سال ۶ ماہ) پھر حضرت عثمان غنی (۱۲ سال ۱۲ دن) پر حضرت علی (۴ سال ۹ ماہ) پھر حضرت حسن (۵ ماہ ۱۴ یوم) تھے۔ رضی اللہ عنہم یہ حضرات خلیفہ راشد تھے۔ اور ان کے دور خلافت کو خلافت راشدہ کا دور کہتے ہیں۔ خلافت راشدہ کے دور کے ختم ہونے کے بعد جو لوگ برسر اقتدار آئے، وہ بادشاہ (ملوک) تھے۔ ان میں نیک و صالح عادل بھی ہوئے ہیں اور ظالم و فاسق بھی۔

خلافت راشدہ کی مدت

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد خلافت ۳۰ سال رہے گی۔ اس کے بعد ملوکیت کا دور ہوگا۔ منہاج نبوت پر خلافت راشدہ تیس سال رہی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے چھ مہینے پر ختم ہو گئی۔

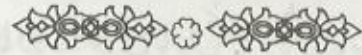
خلافت راشدہ کا دور اسلامی تاریخ کا روشن باب ہے

یار غار رسول حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم حضرت عمر ابن خطاب جامع القرآن کامل الایمان حضرت عثمان غنی اور فاتح خیبر ابن عمر رسول، امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ یہ سب وہ روشن شخصیتیں ہیں جن کو خالق کائنات نے باعث تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے سنوارا تھا۔ خلفائے راشدین نے دین و مذہب کی سرفرازی، سربلندی، قدر و منزلت، عزت و عظمت شان و شوکت اور تبلیغ کے لیے جو جدوجہد کی وہ اسلام کی تاریخ کا ایسا روشن باب ہے جس کی نظیر اقوام عالم میں نہیں ملتی۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت کو بھی خلافت راشدہ کی طرح مانا جاتا ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے بادشاہ اسلام ہوئے، تورات میں ہے کہ وہ نبی آخر الزمان مکہ میں پیدا ہوں گے، مدینہ کی طرف ہجرت کریں گے۔ اس کی سلطنت شام میں ہوگی۔ تو امیر معاویہ کی بادشاہی اگرچہ سلطنت ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سلطنت ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے قصد و اختیار کے ساتھ خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تھی اور ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تھی۔ یہ صلح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیات میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمادیا تھا۔ میرا یہ بیٹا سید ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اس کے باعث اللہ تعالیٰ اسلام کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔ (بخاری شریف)

اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں طعن کرنا بڑی بات ہے۔

خلفائے راشدین کے درجات

انبیاء و مرسلین کے بعد تمام مخلوقات الہی جن و انس و ملائکہ سے افضل حضرت صدیق اکبر پھر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔



امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام کے اتفاق و اجماع سے حضور علیہ السلام کے خلیفہ اول اور خلیفہ بلا فضل مقرر ہوئے۔ اتنی بات صحیح ہے کہ جناب امیر المؤمنین علی المرتضیٰ حضرت عباس و طلحہ رضی اللہ عنہم و مقداد وغیرہ نے بیعت عام کے وقت بیعت نہیں کی، مگر دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کر لی۔ نماز جمعہ و دیگر نمازوں میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشیر خاص بھی تھے۔ غزوہ بنی حنفیہ میں (جس میں مسلمانوں کو قتل ہوا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ آپ کو مال غنیمت میں ایک لونڈی ملی تھی جس سے حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امام برحق نہ ہوتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ مال غنیمت نہ لیتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مال غنیمت لے لینا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔

امام ذہبی نے اس سے زیادہ افراد سے بسند صحیح بخاری شریف کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

خیر الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر ثم رجل آخر۔

”حضور علیہ السلام کے بعد سب سے بہتر و افضل ابوبکر و عمر ہیں۔ پھر کوئی اور۔“ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے وہ مفتری ہے۔ مجھے ملے تو میں اسے سزا دوں گا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس امت کے بہترین انسان ہیں ان کے بعد عمر کا درجہ ہے۔ (درقطنی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم خود فرماتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہوتا یا وعدہ کیا ہوتا کہ میرے بعد تم خلیفہ بلا فضل ہو گے۔ تو میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام کے منبر کی نیچی سیڑھی پر بھی قدم نہ رکھنے دیتا۔ مگر جب میرے مرتبہ و کمال کے ہوتے ہوئے حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی حیات میں نماز پڑھانے کے لیے امامت کا منصب عطا فرمادیا اور میں نے اور تمام صحابہ نے حیات نبوی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کی، تو ان واقعات کی بناء پر مجھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ جب حضور علیہ السلام نے صدیق اکبر کو دین کے معاملات میں امام بنا کر ان کے بہتر و افضل ہونے کا اظہار فرمایا۔ تو میں دنیا کے معاملات میں بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بہتر جانتا ہوں۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ دشمنوں کے غلبہ کی وجہ سے بطور تقیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کی تھی۔ لیکن یہ بات نہایت لچر اور بے ہودہ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان کے خلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ ہیں جو اللہ کے شیر ہیں شیر بھی ایسے جو غالب ہیں اللہ کا شیر حق بات کہنے سے ڈر جائے یہ ناممکن ہے۔ پھر یہ بھی تو ایک حقیقت ہے:

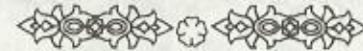
الْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ وَعَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ

”قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ ہے۔“

اس شان کا شیر خدا حق گوئی و بے باکی سے باز رہ سکتا ہے اور خوفِ جان کی بنا پر حق کہنے حق کا اظہار کرنے سے باز رہ سکتا ہے؟ ایک مسلمان حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام صحابہ نے خلوصِ قلب سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کیا اور جس بات پر تمام صحابہ کا اتفاق و اجماع ہو۔ وہ بات برحق ہوتی ہے۔

عشرہ مبشرہ

خلفائے راشدین کے بعد عشرہ مبشرہ حضرات حسنین، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان رضی اللہ عنہم کے لیے افضلیت ہے۔ یہ سب حضرات جنتی ہیں، حضور ﷺ نے اسی دنیا میں ان کے جنتی ہونے کا اعلان فرمایا ہے ان نفوسِ قدسیہ کے مختصر حالات زندگی درج ذیل ہیں۔



اصدق الصادقین امیر المومنین

خلیفہ بلا فصل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

(تاریخ وفات ۲۲ جمادی الاخریٰ)

نام مبارک عبداللہ بن ابی قحافہ، ”ابوبکر“ کنیت، ”صدیق“ لقب۔ خاندانِ بنی تمیم کے چشم و چراغ۔ قریش کے سادات کبار میں آپ کی ذات گرامی ممتاز تھی۔ نبی کریم ﷺ سے آپ کا نسب مرہ میں جا کر مل جاتا ہے، حضرت صدیق اکبر ۵۷۳ء حضور ﷺ کی ولادت کے دو برس چند مہینے بعد پیدا ہوئے۔

سیدنا امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ہیں۔ قرآن پاک کی رو سے نبیوں کے بعد صدیقوں کا درجہ ہے۔ پھر شہداء ہیں پھر صالحین۔ جیسے حضور اکرم ﷺ نبیوں اور رسولوں کے سر تاج ہیں۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صدیقوں میں ممتاز ہیں۔ تقویٰ، جرأت، معاملہ فہمی، حربی قیادت، ایثار، صداقت والوالعزمی، دیانت داری، امانت، فیاضی، زہد، ورع، جود و سخا تو اضع علم قرآن و حدیث، اتباع سنت، علم تعبیر و انساب اور محبت خدا اور رسول، غرضیکہ تمام اعلیٰ اوصاف میں حضور ﷺ کے بعد آپ جیسا کوئی نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بعثتِ نبوی کے اوّل روز ہی سب سے پہلے بلا تردد و جھجک حضور ﷺ کی خدمت میں نبوت کی تصدیق کی۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۸ سال تھی۔

خود حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے جس کسی کے سامنے اسلام پیش کیا، اس نے

کچھ تامل ضرور کیا۔ مگر ابوبکر نے بغیر کسی تامل کے دعوت اسلام پر لبیک کہا (بخاری) مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے اور حضور ﷺ کے ساتھ سب سے پہلی نماز پڑھنے کا شرف بھی آپ کو ہی حاصل ہے۔ (استیعاب)

آپ نے دو بار اپنی ساری دولت حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دی۔ ہجرت کے وقت اور جنگ کے موقع پر مکہ معظمہ میں متعدد غلاموں اور باندیوں کو جو اسلام لانے کی وجہ سے کفار کے ظلم و ستم کا شکار تھے۔ خرید کر آزاد کر دیا ان میں حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے لیے زمین کی قیمت بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ادا کی۔ جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے کہ ابوبکر کے مال نے مجھے جتنا نفع پہنچایا۔ کسی اور کے مال نے اتنا نہیں پہنچایا۔

ہم نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ چکا دیا، مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ان احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ نیز فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا دوست بناتا، تو ابوبکر کو بنانا مگر میری دوستی صرف اللہ تعالیٰ سے ہے (بخاری) اقبال نے ایک مصرعہ میں آپ کے مناقب بیان کرے۔

ثانی اسلام وغار و بدر و قبر

صدیق اکبر حق و صداقت کی مشعل تاباں ہیں

حضور ﷺ کے نائب مطلق، خلیفہ بلا فصل مزاج شناس رسول ہیں۔ اظہار نبوت سے قبل بھی آپ حضور ﷺ کے احباب میں سب سے مقدم تھے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کیساتھ غار میں تھے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ابوبکر تم صدیق ہو۔ (تفسیر فی صفحہ ۱۵۷)

نیز امام جعفر صادق نے فرمایا: جو شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق نہ مانے

اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی تصدیق نہ فرمائے گا۔ (کشف الغمہ)

جب حضور ﷺ معراج سے مشرف ہوئے تو کفار نے کہا اب تو تمہارا دوست کہتا ہے کہ اس نے آسمانوں کی سیر کی۔ آپ نے جواب دیا۔ اگر حضور ﷺ فرماتے ہیں تو درست فرماتے ہیں۔ اسی دن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق ہو گیا۔

قرآن مجید نے فرمایا الذی جاء بالصدق وصدق به کے پہلے جملہ سے حضور ﷺ اور دوسرے سے صدیق اکبر مراد ہیں۔ (مجمع البیان)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مملکت اسلامی کی بنیادوں کو مستحکم کیا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مملکت اسلامی کی بنیادیں استوار کیں۔ آپ ہی کی کوششوں سے ایسے لوگ مسلمان ہوئے جو بعد میں جلیل القدر صحابی اور اسلام کے سچے فدائی و شیدائی بنے۔ اسلام سے محبت جان و مال کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت آپ کی زندگی کا مقصد وحید تھا۔ انہوں نے اسلامی مملکت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔ ان کے دور میں شام و عراق کی فتح کا آغاز ہوا۔

آپ نے اپنے دور خلافت کے دو سال تین ماہ میں خلافت و نیابت رسول ﷺ کا حق ادا کر دیا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد فتنوں اور شورشوں نے ہجوم کیا۔ فتنہ ارتداد قبائل عصبیت، خاندانی نجابت کا استحقاق، باغیوں کی جانب سے سرکشی کے لیے نئے خطرات، مملکت کو قرآن و سنت کے اصول و ضوابط پر حرف بحرف اور من و عن قائم رکھنا کتنے بہت سے نازک اور مشکل مرحلے میں با حوصلہ رفیق رسول ﷺ نے کمال حسن تدبیر خداداد ذہانت، سیاسی فراست اور دینی استقامت سے طے کیے۔ جہاں تخل اور سیاسی حکمت عملی درکار تھی۔ وہاں اسے اختیار کیا اور جہاں قوت بازو اور بزورِ شمشیر منافق، مرتد اور جھوٹے مدعی نبوت کی سرکوبی ضروری تھی۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کی ناموس کے لیے مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اور شجاعت

سے بھی کام لیا۔ حتیٰ کہ مشرکوں منافقوں اور مرتدوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا گیا۔ اور اسلام کا قافلہ پھر شان و شوکت کے ساتھ اپنے راستہ پر گامزن ہو گیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ختم نبوت کے محافظِ اوّل ہیں

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو عشقِ رسول ہی نے حضور ﷺ کی عظیم خوبی ”ختم نبوت“ کا محافظِ اوّل بنایا کہ آپ نے ناسازگار حالات میں اور کثیر مصروفیات کے باوجود ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو ناموس رسالت سے کھیلنے کی اجازت نہ دی اور قیامت تک آنے والے عشاقِ رسول کو حفاظتِ ختم نبوت کا سبق سنایا۔ جن کذاب مدعیانِ نبوت کو آپ کے دور میں پکلا گیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

اسود غسی، طلحہ، مسلمہ کذاب، شجاع بنت حارثہ تمیمیہ۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ بہادر تھے

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سب سے زیادہ شجاع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں بدر کی لڑائی میں حضور ﷺ کی حفاظت کے لیے عریش (ایک محفوظ چھپر) بنایا گیا تھا۔ خدا کی قسم ہم میں سے کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ اس عریش کو کفار سے محفوظ رکھنے کے لیے سپر بن جائے۔ اس نازک موقع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہوئے، جس کسی نے بھی حضور ﷺ پر حملہ کیا۔ انہوں نے اس کی مدافعت فرمائی۔ (تاریخ الخلفاء)

جمع قرآن

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ..... بھی نہایت ہی زرین ہے کہ جنگ یمامہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے آپ نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی تمام سورتوں کو جمع کرنے پر مامور فرمایا اور انہوں نے بکمال و

لوبی یہ خدمت انجام دی اس وقت سے قرآن کو مصحف کے نام سے موسوم کیا گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام کو حیاتِ نوبختی

فتح مکہ کے بعد اگلے سال جب کہ مسلمانوں کے سامنے سے سرزمینِ عرب پر تسلط کی راہ سے تمام رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کو امیرِ الحج مقرر فرما کر روانہ کیا اور پھر جب آپ ﷺ کی علالت نے شدت اختیار کی تو مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھانے کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو منتخب فرمایا۔ انہی اسباب کے باعث صحابہ کرام ان سے حد درجہ عقیدت رکھتے تھے کیونکہ وہ ان کے دینی مرتبہ سے آگاہ تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب خلافت کا سوال اٹھایا گیا۔ تو مسلمانوں کی نظر انتخاب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر پڑی اور وہ خلیفۃ الرسول منتخب ہو گیا۔

مسند آرائے خلافت ہوتے ہی ان کے سامنے صعوبتوں، مشکلوں اور خطرات کے پہاڑ آن پڑے ایک طرف جھوٹے مدعیانِ نبوت تھے کہ مسلح تصادم پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف مرتدینِ اسلام کی ایک جماعت علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھی۔ منکرینِ زکوٰۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی۔ غرض خورشیدِ دو عالم ﷺ کے وصال کے بعد شمعِ اسلام کے چراغِ سحری بن جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن جانشینِ رسول ﷺ نے اپنی ضمیری، پاکیزہ سیاست بے مثال تدبیر اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل کرنے کی تمام ناپاک کوششوں کو ناکام بنادیا بلکہ پھر اس مشعل سے تمام عرب کو منور کر دیا۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام کو جس نے حیاتِ نوبختی اور دنیاۓ اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے، وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

اللہ کی ہزار برکتیں اور رحمتیں ہیں اس پاک باز مقدس انسان پر جس نے اپنی ساری عمر رسول اللہ ﷺ کی رفاقت اور اسلام کی اشاعت میں صرف کر دی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے عاشق صادق تھے

حضور سرور عالم ﷺ کے عہد سعادت و برکت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک عشاق صادق کا بے مثال اور ایمان افروز کردار ادا کیا۔ مکہ میں قریش کے مظالم اور ان کی ایذا رسانیوں کے مقابلے میں وہی سینہ سپر ہوتے تھے۔ ہجرت کے انتہائی نازک موقع پر غارِ ثور سے مدینہ منورہ تک پوری جانثاری سے آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا حق ادا کیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جب رسول اللہ ﷺ اور فداکاران اسلام کو یہودیوں کی مکاریوں اور منافقین کی ریشہ دوانیوں سے واسطہ پڑا۔ اور قریش مکہ اور یہود مدینہ کی پے در پے کوششوں کے نتیجے میں سارا عرب حضور ﷺ کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہوا تو اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور ﷺ کے خاص الخاص مشیر خاص کے فرائض انجام دیے اور ہر موقع پر حضور ﷺ کی حفاظت و مدافعت کے لیے اپنے آپ کو ڈھال بنایا۔

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۲ جمادی الآخریٰ ۱۳ ہجری کو غروب آفتاب کے بعد ہوئی۔ وفات کے وقت ان کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔ کم و بیش ستائیس مہینے مسلمانوں کی زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں رہی اور اس قلیل مدت میں انہوں نے جو نظام حکومت قائم کیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رفیع المنزلت عمارت کھڑی کر دکھائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایمان و اخلاص میں صدیق اکبر کا کوئی ہم پلہ نہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات سے مدینہ تھرا اٹھا، اور مسلمانوں پر کرب

و اضطراب کی وہی کیفیت طاری ہو گئی۔ جس کا نظارہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد دیکھنے میں آیا تھا۔ ان کی وفات کا سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے تشریف لائے اور جس حجرے میں ان کی لاش رکھی تھی اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اے ابو بکر اللہ تم پر رحم کرے، خدا کی قسم! تم پہلے آدمی تھے، جس نے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کیا تھا۔ ایمان و اخلاص میں تمہارا ہم پلہ کوئی نہ تھا۔ خلوص و محبت میں تم سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اخلاق، قربانی، ایثار بزرگی میں تمہارا کوئی ثانی نہ تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت تم نے کی اور رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں جس طرح ثابت قدم رہے۔ اس کا بدلہ اللہ ہی تمہیں دے گا۔ جب ساری قوم رسول اللہ ﷺ کی تکذیب میں مشغول تھی۔ تو تم نے آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا جب ساری قوم آپ ﷺ کو اذیتیں پہنچانے کے درپے تھی تو تم نے آپ ﷺ کی حفاظت کی۔

جب رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر لوگ کان نہ دھرتے تھے۔ تو تم نے آپ ﷺ سے مل کر تبلیغ کافر بیضہ انجام دیا..... تمہیں اللہ نے اپنی کتاب میں ”صدیق“ کے لقب سے سرفراز کیا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا صدیق ہم تمہاری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو اس صدمے کے باعث گفتگو کا یا راہی نہ رہا۔ وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حجرے میں داخل ہوئے۔ تو صرف یہ الفاظ ان کے منہ سے اگل سکے۔

”اے خلیفہ رسول اللہ! تمہاری وفات نے قوم کو سخت مصیبت اور مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہم تمہاری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ تمہارے مرتبے کو کس طرح پا سکتے ہیں۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کارناموں کو آنے والی کوئی بھی نسل فراموش نہ کر سکے گی اور قیامت تک ان کے اوپر سلام بھیجنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔

پہلوئے مصطفیٰ ﷺ میں بنا آپ کا مزار

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا حق ادا کیا تھا۔ بعد الموت بھی رفاقت کا یہ شرف انہیں حاصل رہا۔ انتقال سے پہلے وصیت فرمائی کہ میری میت تجہیز و تکفین کے بعد آقائے دو جہاں سرکار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے روضہ اطہر کے مقابل رکھ دی جائے اور کہا جائے:

”السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ آستانہ عالیہ پر حاضر ہے۔ اگر دروازہ خود بخود کھل گیا تو مجھے اندر دفن کر دینا۔ ورنہ جنت البقیع میں لے جانا۔“

(شواہد النبوۃ علامہ جامی)

جب وصیت کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا جنازہ روضہ اطہر کے قریب لایا گیا۔ تو ان کی وصیت کے مطابق ابھی وہ کلمات پورے نہ ہوئے تھے کہ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ اور آواز آئی ”دوست کو دوست کے پاس لے آؤ۔“ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے قرب میں دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عمر ۶۳ سال تھی، اور یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری کو رونما ہوا۔ اس طرح خلافت راشدہ کا عہد صدیقی اختتام پذیر ہوا۔ لیکن مسلمانوں کو نظم و نسق کی متعین راہ مل گئی تھی۔

نگاہ نبوت میں صدیق اکبر کا مرتبہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اوصاف حسنہ ہی کے پیش نظر حضور ﷺ نے فرمایا: ”میں نے اپنے صحابہ میں ابو بکر سے افضل کسی کو نہیں پایا اور اگر میں اہل زمین

میں سے کسی کو خلیل بنانا، تو ابو بکر کو بنانا۔ لیکن ابو بکر سے میرا تعلق ہم نشینی، مواخات اور ایمان کا ہے، یہاں تک کہ اللہ ہمیں اپنے پاس اکٹھا کرے۔ (مکتوۃ)

اگر مجھے نہ پاؤ تو پھر صدیق کے پاس آؤ۔

تم غار اور حوض کوثر پر میرے رفیق ہو۔ (بخاری)

ابو بکر امت محمدیہ میں سے سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ (ترمذی)

ابو بکر دوزخ سے آزاد ہیں۔ (ترمذی)

مجھے امید ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جنت کے ہر دروازہ سے بلایا جائے گا۔

(مسلم)

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ابو بکر و عمر کے فضائل کا منکر نہیں۔ لیکن ابو بکر عمر سے افضل ہیں۔ (طبری صفحہ ۲۰۴)

تفسیر امام حسن عسکری میں ہے کہ حضور ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم کو میرے ساتھ وہ نسبت ہوگی جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہے۔ (شمعی الکلام)

حیات صدیقی ایک نظر میں

- ❶ بڑے مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔
- ❷ بلا تردد اسلام لائے۔
- ❸ اسراء کی تصدیق کر کے صدیق اکبر کا لقب پایا۔
- ❹ اخلاص اور دیانت کے صلے میں امن الناس کا خطاب پایا۔
- ❺ آنحضرت ﷺ کے رفیق غار رہے۔
- ❻ اُن کے گھر سے آپ ﷺ کے لیے غار میں کھانا پہنچتا رہا۔
- ❼ اُن کے گھر آپ ﷺ بن بلائے تشریف لے آتے۔

بوقت طلب اپنا تمام اثاثہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

اُن کی تنہا ذات کو قرآن میں ”صاحب النبی“ کا لقب ملا۔

درس گاہ نبوت ﷺ کے پہلے طالب علم تھے۔

غزوہ بدر میں آپ ﷺ کو الحاح و زاری کرتے ہوئے دیکھ کر تشفی دی۔

آپ کو بدر میں میمنہ کا سردار بنایا گیا۔

اسیران بدر کی رہائی کے سلسلے میں ان کی رائے تسلیم کی گئی۔

غزوہ بدر میں حضور ﷺ کے ساتھ جم کر کھڑے رہے۔

۹ ہجری میں امیر الحج کا خطاب بارگاہ نبوی ﷺ سے ملا۔

غزوہ تبوک میں اپنا سارا مال حضور ﷺ کے قدموں میں نثار کر دیا۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد ثابت قدم رہے۔

آپ ﷺ کے وصال کی وجہ سے عام تشویش ایک ہی خطبہ دے کر دور کر دی۔

فتنہ ارتداد کا غیر معمولی ثابت قدمی سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کے لیے تیار کھڑے ہوئے۔

حضور ﷺ کی رحلت کے بعد آپ ﷺ کے سارے قرض ادا کیے۔

سابقون الاولون میں سب سے اوّل قرار پائے۔

حضور ﷺ نے اپنے بعد ان کی اقتداء کا حکم فرمایا۔

آپ سب سے پہلے مخالف ختم نبوت ہیں، جھوٹے مدعیان نبوت کی سرکوبی

سب سے پہلے آپ نے کی۔

انہوں نے قیصر و کسریٰ کے ممالک کی جانب پیش قدمی کا آغاز کیا۔ عشرہ

مبشرہ کے سرخیل ہیں۔

اکابر صحابہ کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشادات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہم سب کے سردار، ہم سب

سے بہتر اور حضور ﷺ کو ہم سب سے پیارے تھے۔ (ترمذی)

اہل زمین کے ایمان کو ایک پلڑے میں اور دوسرے پلڑے میں ابو بکر کے

ایمان کو تولا جائے۔ تو صدیق کا پلڑا زیادہ وزنی ہوگا۔

جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم ٹکوکاری میں صدیق اکبر سے کبھی نہیں

پڑھے۔

حضرت ربیع بن یونس فرماتے ہیں کتب سماویہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کی مثال بارش سے دی گئی ہے کہ جہاں پڑتی ہے نفع بخشی ہے۔

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو بکر خلیفہ نہ ہوتے، تو خدائے واحد کی

پرستش کرنے والا ایک بھی نہ دکھائی دیتا۔

امام شعبی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے چار خصوصیات میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منفرد ہیں:

(۱) صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے سوا کسی کا نام نہیں۔

(۲) حضور ﷺ کے ساتھ غار میں رفاقت کا شرف صرف آپ کو ملا۔

(۳) حضور ﷺ نے اپنی حیات میں آپ کو امام بنایا۔

(۴) آپ نے حضور ﷺ کی ہر کابی میں ہجرت کی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اقوال

”اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ“

”صدق امانت ہے اور کذب خیانت“

”جو قوم اللہ کے راستے میں جہاد ترک کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ذلت و

خواری مسلط کر دیتا ہے۔

❦ ”خیانت، بد عہدی اور چوری مت کرو۔“

❦ ”اپنی حفاظت اللہ کے نام سے کرو، وہ تمہیں شکست اور وبا سے محفوظ رکھے گا۔“

❦ ”حکمران دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ بد بخت ہوتے ہیں۔“

❦ ”جہاد ایک لازم فریضہ ہے اس کا ثواب بھی اس قدر عظیم ہے کہ اس کا

اندازہ ناممکن ہے۔“

❦ ”عدل جو بھی کرے بہتر ہے، لیکن امیر کریں تو زیادہ بہتر ہے۔“

❦ ”مرد شرم کریں تو اچھا ہے، لیکن عورتیں کریں، تو بہت اچھا ہے۔“

❦ ”جوان کا گناہ بھی برا ہے، لیکن بوڑھے کا سخت برا ہے۔“

❦ ”امیر تکبر کریں، تو برا ہے، لیکن غریب کریں، تو بہت برا ہے۔“

❦ ”زبان کو شکایت سے بند کرو، خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔“

❦ ”شکر گزار مومن عافیت سے زیادہ قریب تر ہے۔“

❦ ”پیغمبروں کی میراث علم ہے اور فرعون و قارون کی میراث مال۔“

❦ ”وہ لوگ بہتر نہیں جو آخرت کے لیے دنیا کو ترک کرتے ہیں۔ بہتر وہ ہیں

جو دنیا اور آخرت دونوں کو حاصل کرتے ہیں۔“

❦ ”پرانے گناہوں کو نیکیوں سے مٹاؤ۔“

❦ ”شریف علم پڑھ کر متواضع ہو جاتا ہے اور ذلیل علم پڑھ کر متکبر ہو جاتا ہے۔“

❦ ”انسان ضعیف ہے تعجب ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیسے کرتا ہے۔“

❦ ”سچائی اور نیکی جنت میں ہے، جھوٹ اور بدکاری دوزخ میں۔“

❦ ”آپس میں قطع تعلق نہ کرو، بغض نہ رکھو، حسد نہ رکھو، حسد نہ کرو، بھائی بھائی

ہو۔“

خلیفہ دوم امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

(وفات یکم محرم ۲۴ھ)

نام مبارک عمر والد کا نام خطاب ۱۳ ولادت نبوی، عام الفیل سے تیرہ سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد خطاب کا شمار قریش کے ممتاز سرداروں میں ہوتا تھا۔ ان کے فیصلوں کو سب تسلیم کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی ایک ممتاز شاخ عدی سے تھا۔ ۶ھ میں ہجر ۳۳ سال مشرف باسلام ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کو خدا سے مانگا

جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکنے والی انسانیت جس مہر ہدایت کی منتظر تھی۔ جب وہ بطحا کی چوٹیوں سے احمد و محمد بن کر جلوہ فرما ہوئے اور آپ نے دعوت تو حید کا آغاز فرمایا۔ تو قریش مکہ نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قریشی طویل القامت نوجوانوں پر نظر پڑی، تو بارگاہ الہی میں عرض کی:

”ان دونوں میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس سے اپنے دین کو قوت عطا فرما۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے دل سے نکلی ہوئی دعا قبول فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد پہلی بار مسلمانوں کو کعبہ میں نماز پڑھنے کی سعادت ملی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی سر بلندی کے لیے شب و روز محنت کی اور عظیم کارنامے انجام دیے۔ انہوں نے سادگی عدل و

مساوات کا عملی مظاہرہ کیا، ان کے اسلام لانے نے تاریخ کا رخ موڑ دیا، وہ ہمیشہ شجاعت اور عقل و شعور کا پیکر اور عشقِ نبوت میں سرشار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جناب عمر رضی اللہ عنہ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے پر ذیل کی آیت نازل فرمائی:

حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (الانفال ۹)

”اے نبی تمہیں اللہ کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہیں۔“

فاروقِ اعظم عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے پر کیف مناظر زمانہ نے دیکھے، کائنات انسانی کے مقدس گروہ صحابہ کرام نے اس سعادت سے اپنے دامنِ قلب و نظر کو جس عقیدت و احترام سے بھرا۔ اغیار بھی اس کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضوء فرماتے ہیں، تو صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے غسل کو زمین پر گر کر نہیں دیتے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے:

بمصطفیٰ برسان خویش را کہ دین همه اوست

اگر بادِ نر سیدی تمام بولہی است

انہی نفوسِ قدسیہ میں ایک ممتاز اور منفرد ہستی جناب امام فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ہے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق، محبِ وطن اور نشہ عشقِ نبوت میں ہر آن اور ہر لمحہ غمور رہنے والی شخصیت تھے۔ آپ نے ساری زندگی عشقِ نبوی میں بسر فرمائی اور بعد وفات بھی اپنے محبوب کے جوار میں دفن ہونے کے شرف سے مشرف ہوئے۔ حق یہ ہے کہ امام فاروقِ اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ حمیدہ کے مظہر اتم تھے۔ ان کی شخصیت شاہکار رسالت بن کر سامنے آئی اور ان کی ایک ایک ادا سے اسوۂ نبوت کی تصویر نظر آتی ہے۔

تصور کیجئے ان کے زہد و قناعت کا کہ ۲۵ لاکھ مربع میل کی سلطنت کے مقتدر فرمانروا ہیں، لیکن لباس پھنپھانا، کبھی مسجد کی سیڑھیوں میں سو جاتے ہیں۔ ستواور کھجور

کھا کر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں۔ بیٹی ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا چند افراد کی درخواست پر اچھا کھانے اور اچھا پہننے کی ترغیب دیتی ہیں۔ تو فرماتے ہیں: ”کہ اے بنتِ عمر! تم خوب جانتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلیفہ اول نے کتنی زاہدانہ اور غریبانہ زندگی گزاری ہے، میری آرزو بھی یہی ہے کہ ان عظیم شخصیتوں کا اندازِ زندگی اختیار کروں۔“ یہی اندازِ زندگی اور زہد تھا جسے دیکھ کر قیصر روم کا سفیر بھی حیرت زدہ رہ گیا اور اس کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا تھا، دانشِ عرب و عجم کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رومی سفیر مدینہ منورہ میں آیا اور کسی سے پوچھا کہ تمہارے شہنشاہ کا محل کدھر ہے؟ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں نہ کوئی شہنشاہ ہے اور نہ محل۔ البتہ ایک خادم ضرور ہے جسے ہم خلیفہ کہتے ہیں اور وہ اس وقت سامنے گلی میں گارا اٹھا رہے ہیں۔ سفیر نے وہاں جا کر پوچھا تو بتانے والے نے کہا کہ وہ دیوار کے سائے میں ریت پر لیٹے ہوئے ہیں سفیر ان کے قریب گیا اور کہنے لگا:

کیا یہ ہے وہ انسان جس کی ہیبت سے دنیا کے فرمانرواؤں کی نیندیں اڑ چکی ہیں۔ اے عمر! تم نے انصاف کیا اور تمہیں گرم ریت پر نیند آگئی، ہمارے بادشاہوں نے ظلم کیا اور انہیں سنگین حصاروں کے اندر سمور و کخواب کے بستر پر بھی نیند نہیں آتی۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت ترقی اسلام کے لیے وقف کر دی تھی

یہ ہی وجہ ہے کہ جب مرض الموت میں انہوں نے اپنے قرض کا حساب کرایا، تو چھپایا ہزار روپیہ قرض کا دینا آیا۔ یہ قرض ان کے جو دو سخا اور ترقی اسلام پر خرچ کرنے کا نتیجہ تھا۔

دورِ فاروقی اسلامی فتوحات کا دور تھا

۲۳ جمادی الآخر ۱۳ ہجری ۶۳۲ عیسوی کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسند خلافت

پر ممکن ہوئے۔ دس برس چھ ماہ اور چار روز خلافت سنبھالی، ان کا عہد اسلامی تاریخ میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا دور فتوحات کا دور تھا۔ اسلامی خلافت کی حدود مشرق میں ترکستان افغانستان اور کمران، شمال میں بحیرہ خزر آذربائیجان مشرقی اناطولیہ اور بحیرہ روم تک، مغرب میں مصر، بلاد النور یہ اور سوڈان اور جنوب میں بحیرہ عرب سے جا ملتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارادہ فتوحات کو اس قدر وسعت دینے کا نہ تھا، لیکن حالات اور واقعات نے مسلمانوں کو اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنے پر مجبور کر دیا۔ دنیا کے بڑے بڑے فاتحین کی فتوحات ان کے سامنے بچ نظر آتی ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر جنگوں کی قیادت کرتے رہے۔ دورِ فاروقی میں جو علاقے فتح ہوئے ان علاقوں میں آج کل یہ حکومتیں قائم ہیں۔

(۱) لبیا (۲) مصر (۳) فلسطین (۴) شام (۵) اردن (۶) لبنان (۷) عراق (۸) ایران (۹) افغانستان (۱۰) سعودی عرب (۱۱) عمان (۱۲) قطر (۱۳) امارات متحدہ عرب عربیہ (۱۴) یمن جنوبی عدن وغیرہ (۱۵) پاکستانی بلوچستان (۱۶) روسی آذربائیجان (۱۷) مشرقی جنوبی ترکی (۱۸) روسی تاجکستان اور ازبکستان ترکمانستان (۱۹) کویت (۲۰) بحرین (۲۱) سوڈان شمالی حصہ۔

اسلام میں نظام حکومت کا دور عہدِ فاروقی سے شروع ہوا

اسلام میں نظام حکومت کا دور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک طرف تو فتوحات کو وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں۔ دوسری طرف حکومت کا نظام قائم کیا اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں۔ وہ سب وجود میں آچکے تھے۔

ان کا عدل ضرب المثل تھا

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سادگی کو اپنایا۔ فتوحات کی وسعت نے ان میں کوئی تہدیلی پیدا نہیں کی۔ مسلمانوں نے ان کی خلافت کے آغاز میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح بیت المال میں ان کے اہل و عیال کا حق مقرر کر دیا تھا جس وقت مدینہ میں بیت المال میں غنیمت کے انبار لگے۔ اس وقت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اتنا ہی حصہ لیا۔ جتنا ملک کے ایک عام مسلمان کا ہوتا ہے وہ خلافت کی بناء پر اپنا حق دوسروں کے حق سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔

ان کا عدل آج تک ضرب المثل ہے۔ وہ اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ کے حساب سے ڈرنے والے تھے۔ عدل و انصاف قائم کرنے میں وہ اپنے اعزاء و اقارب کے ساتھ نرمی نہ برتتے تھے۔ ان کا انصاف امیر و حقیر اور والی و رعایا میں کوئی تمیز نہ کرتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن جمع ہوا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتنہ ارتداد، منکرین زکوٰۃ اور مدعیان نبوت کے تدارک کے ضمن میں جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی شہادت سے متاثر ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا اور انہیں دلیل سے مطمئن بھی کر دیا۔ اذان بھی آپ ہی کے مشورہ سے جاری ہوئی۔

دس سال کی مدت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی ترقی و شادابی کی مثال قائم کر دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ حقیقت میں اسلام کی عظمت ظاہر ہونے، شریعت اسلامیہ کی خوبیوں کے اجاگر ہونے اور مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور ہر حیثیت کے مستحکم و مضبوط ہونے کا زمانہ ہے۔ آپ کا دور خلافت دس سال چھ ماہ اور

چار دن رہا، یہ مدت ملکی استحکام اور قومی ترقی کے لیے کوئی زائد مدت نہیں۔ اگرچہ یہ قلیل عرصہ تھا، لیکن اس عرصے ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دنیا کا نقشہ بدل کر دکھایا۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ جو قوم خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرتی ہے۔ خدا اپنے وعدے کے مطابق اس کی اس طرح مدد فرماتا ہے کہ وہ جس طرف قدم اٹھاتی ہے، فتح و نصرت اس کے قدم چومتی ہے۔

آپ نے اعلانیہ ہجرت کی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی وہ شخصیت تھے۔ جنہوں نے مکہ سے ہجرت اعلانیہ کی۔ عام صحابہ تو چوری چھپے ہجرت کر رہے تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کر دیا کہ میں جا رہا ہوں، جنہیں اپنے بیٹے کو یتیم اور بیوی کو بیوہ کرنا ہو وہ فلاں جگہ مجھ سے دو دو ہاتھ کرے۔ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”میں نہیں جانتا کہ عمر بن خطاب کے سوا کسی مسلمان نے اعلانیہ مکہ سے ہجرت کی ہو۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ غزوات میں شامل ہوئے

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے، بدر کی لڑائی میں آپ نے شجاعت و بہادری کا وہ مظاہرہ کیا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ کسی مشہد میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے۔ احد و حنین میں بھی آپ نے بہادری اور استقلال کا بے مثال ثبوت دیا۔

وفات

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کو صبح نماز فجر کی ادائیگی کے لیے تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھے ہی تھے کہ ابولولو مجوسی نے زہر آلود خنجر سے آپ کے شکم مبارک میں تین کاری زخم

لگائے۔ آپ بیہوش ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ ذرا ہوش آیا تو فرمایا الحمد للہ ایک کافر کے ہاتھ سے مجھے شہادت ملی اور یکم محرم ۲۴ ہجری کو وصال فرمایا۔ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے پہلوئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوئے۔ جیسے زندگی میں حضور کے ساتھ تھے۔ بعد وفات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ ہی رہے اور ہیں رضی اللہ عنہ۔

نگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قوت ایمانی اور اصابت رائے انہیں ذات رسالت سے قریب تر کرتی رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) میرے بعد کسی نبی کا آنا ممکن ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ (بخاری)

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نبوت کے کمالات موجود تھے اور اگر نبوت ختم نہ ہوتی، تو عمر رضی اللہ عنہ نبی ہوتے۔

(۲) مجھے اس ہستی مقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس راہ سے عمر گزرتا ہے شیطان اس راہ سے ہٹ جاتا ہے۔ (بخاری)

(۳) جنت میں فاروق اعظم کو ایک محل ملے گا۔ (بخاری)

(۵) میری امت کا محدث عمر ہے۔

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کے لیے دعا کی، ”ان کے سینے میں جو کچھ بھی میل پچھل ہے، اسے دور فرما دے اور اس کے بدلے ایمان سے بھر دے۔“

(۷) میرے دو وزیر آسمانوں میں جبریل و میکائیل ہیں اور دو زمین میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (ترمذی)

(۸) ابوبکر و عمر انبیاء کے علاوہ جنت کے سب اگلے پچھلے امت کے ادھیڑ عمر کے لوگوں کے سید اور سردار ہیں۔ (ترمذی)

علی و فاروق رضی اللہ عنہما کی باہم محبت

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر اعظم اور معتد علیہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ بجانب شام سفر کیا، ہر دو موقع پر اپنی جگہ علی مرتضیٰ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد جن افراد کو شایانِ خلافت قرار، ان میں سب سے پہلے علی مرتضیٰ کا نام نامی تھا۔

ارشادات فاروقی اعظم رضی اللہ عنہ

اللہ کی قسم! تمہارا جو معاملہ میرے سامنے آئے گا۔ میرے سوا کوئی اسے طے نہیں کرے گا۔ اگر لوگوں نے میرے ساتھ بھلائی کی، تو میں بھی یقیناً ان کے ساتھ بھلائی کروں گا اور اگر وہ برائی کے ساتھ پیش آئے، تو میں بھی ضرور انہیں سزا دوں گا۔

اللہ سے ڈرو! مجھ سے درگزر کر کے میرا ہاتھ بٹاؤ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں میری مدد کرو، تمہاری جو خدمات اللہ نے میرے سپرد کی ہیں، ان کے متعلق مجھے نصیحت کرو، میں تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں اور اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے مغفرت طلب کر رہا ہوں۔

جو شخص مسلمانوں سے لالچ لے نہیں رکھتا۔ اس سے اہل اسلام محبت کرتے ہیں۔

کسی کی دیانت داری پر اس وقت تک اعتماد نہ کرو جب تک وہ لالچ سے باز آزا نہ ہو جائے۔

جو شخص اپنا راز پوشیدہ رکھتا ہے، وہ اپنا اختیار اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے اور راز ظاہر کرنے کے بعد وہ اپنا یہ اختیار دوسرے کو دے دیتا ہے۔

نیکی کے بدلے نیکی کرنا، نیکی کا حق ادا کرنا ہے، اصل نیکی وہ ہے جو بدی کے جواب میں کی جائے۔

حلال و حرام ایک جگہ جمع ہو جائیں تو حرام غالب آجاتا ہے۔

تین چیزوں سے محبت بڑھتی ہے، مجلس میں دوسرے کو بیٹھنے کی جگہ دینے، سلام کہنے اور اچھا نام لے کر پکارنے سے۔

تھوڑی دنیا لو، تو آزار ہو گے، زیادہ لو گے، تو پابند ہو جاؤ گے۔

جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضا یاد اس کی اپنی عادت کیجئے ہم تمہارے ہو کے کس کے پاس جائیں صدقہ شہزادوں کا رحمت کیجئے

حیاتِ فاروقی..... ایک نظر میں

۵ھ بعثت نبوی اسلام قبول کیا۔

۱ھ ہجری ہجرت مدینہ۔

۲ھ ہجری غزوہ بدر میں شرکت۔

۳ھ ہجری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حفصہ کو پیغمبر اسلام کے عقد میں دیا۔

۴ھ ہجری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایماء پر خواتین کے لیے پردہ کا حکم جاری ہوا۔

۵ھ ہجری غزوہ خندق میں شرکت۔

۶ھ ہجری رسول پاک ﷺ کے سفیر بن کر گئے۔

۷ھ ہجری صلح حدیبیہ کے دوران موجودگی۔ غزوہ خیبر میں شرکت۔

۸ھ ہجری فتح مکہ میں شرکت۔

۹ھ ہجری مسلمانوں کے پہلے سفر حج میں شرکت۔

۱۳ھ ہجری خلافت فاروقی کا آغاز۔

(۲۳ جمادی الثانی) لشکر اسلام کی عراق روانگی، خالد بن ولید کی معزولی، معرکہ یرموک، یمن سے عیسائیوں کی جلا وطنی، جنگ مغل یعنی (دلدل والی جنگ)

۱۴ ہجری عہد فاروقی میں فتح دمشق، جنگ قادسیہ، اردن اور بیروت کی فتوحات
 ۱۵ ہجری فلسطین فتح کرنے کی خوش خبری۔
 ۱۶ ہجری بیت المقدس کو مسلمانوں نے حاصل کیا۔
 ۱۷ ہجری اسلامی مملکت میں غذائی قلت اور زبردست قحط کا مقابلہ کرنے کے لیے عہد فاروقی کی کامیاب تدابیر۔
 ۱۸ ہجری حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جابیہ سے واپسی۔
 ۱۹ ہجری شام کا حاکم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ اسی سال کوفہ کی فتح، شہر کی تعمیر نو اور اسے چھاؤنی بنانا۔
 ۲۰ ہجری اصفہان، طوس، طبرستان اور آرمینیا کی جانب ۵۲ ہزار سپاہ کی روانگی۔
 ۲۱ ہجری جرجان، طبرستان، بیضا، خزر اور آرمینیا کے روسی اور ایرانی علاقوں پر اسلامی لشکر کا قبضہ۔
 ۲۳ ہجری جنازے کی چار نگینوں کا فیصلہ اور نماز تراویح باجماعت پڑھنے کا حکم نظام ڈاک، جاگیرداروں کی تنسیخ ہر مسلمان بچے کے لیے وظیفہ اور تجارتی مقصد میں استعمال ہونے پر گھوڑوں پر محصول
 ۲۳ ہجری کرمان، ہرات، مرو، بلخ، خراسان اور سندھ و بلوچستان کے علاقوں میں لشکر فاروقی کی فتوحات، ہندوستان میں پیغام اسلام، ایرانی شہزادیوں کی گرفتاری اور آخری حج، بیت اللہ فتح مصر اور قاہرہ کی تعمیر نو۔
 ۲۳ ہجری مسجد نبوی میں قاتلانہ حملہ
 ۲۴ ہجری (یکم محرم)..... شہادت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے قریب تدفین۔

خلیفہ سوم امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ

(وفات ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ)

امیر المؤمنین امام المجاہدین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آغاز بعثت میں اسلام لائے۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور لقب ذوالنورین ہے، جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عثمان وہ شخصیت ہیں، جنہیں ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ عشرہ مبشرہ میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ قبول اسلام میں چوتھے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین ہے

آپ کا لقب غنی اور ذوالنورین ہے۔ کیونکہ آپ بیحد مخیر تھے اور اسلام لانے کے بعد مسلمانوں خصوصاً اسلامی جنگوں میں آپ نے بیحد مالی اعانت کی۔ اس لیے آپ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنی کا لقب مرحمت فرمایا اور چونکہ آپ کے عقد میں حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ اس لیے ذوالنورین (یعنی دونوں والا) کا لقب ملا۔

حضرت عثمان ان چند صحابہ میں سے ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے اور جنہیں ایمان لانے والوں میں سبقت کرنے والے کہا جاتا ہے۔ آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ مسلمان ہونے کے بعد مکہ کے کافروں نے دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کو بھی ستایا۔ خود آپ کے بزرگ حکم بن العاص نے آپ پر بہت سختی کی۔ ایک دفعہ آپ کو ایک کوٹھڑی میں بند کیا اور اس میں اتنا دھواں بھرا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا، لیکن آپ کے ایمان میں ذرا بھی فرق نہ آیا اور اسلام کے دشمن

انہیں دین سے برگشتہ نہ کر سکے۔

جمع و ترتیب قرآن کا شرف جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ملا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن شریف ایک لہجہ اور قرأت پر جمع کیا گیا اور جمع و تدوین قرآن کا اور اس کی اشاعت کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا۔ مختلف اقطار کے لوگ اپنے اپنے لہجے کے مطابق اس کی قرأت کرتے تھے۔ جناب حذیفہ اور ابن مسعود نے خلیفہ وقت کی توجہ مبذول کرائی۔ چنانچہ قراۃ کی ایک مجلس منعقد کی گئی۔ معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس خلیفہ اول کے وقت سے ترتیب شدہ جو مسودہ ہے اور جس کی ترتیب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ہوئی تھی۔ چنانچہ اسی اصول پر قرآن جمع کیا گیا اور اس کی سورتوں کی ترتیب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نسخہ مطابق مسلم قرار پائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کر دیا کہ تمام مسلمان اپنے اپنے نسخوں کو لے کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نسخے کے مطابق کر لیں۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے مکمل نسخوں کی اشاعت اپنی مہر لگا کر کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو سراہا اور کہا کہ اگر میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی یہی کرتا جمع اور ترتیب قرآن کا یہ حکم ۳۰ھ میں جاری اور نافذ ہوا۔

حضرت امام ذوالنورین کا انتخاب

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل مدینہ کے اکابر، صحابہ کرام سے مشورہ کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام خلافت کی ذمہ داری کے لیے تجویز کیا تھا اور خلیفہ اول کی وفات کے بعد مسلمانوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں امیر المومنین منتخب کر لیا، جب ان کی وفات قریب ہوئی اور وہ زخمی حالت میں تھے، تو انہیں مسلمانوں کے مستقبل کا خیال پریشان کر رہا تھا۔

انہوں نے چھ حضرات کے اوپر یہ چھوڑا کہ وہ باہمی مشورہ سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کر لیں، ان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ مذاکرات اور مشوروں کے بعد یکم محرم الحرام ۲۳ھ ہجری کو حضرت عثمان بن عفان خلیفہ مقرر ہوئے اور تین دن تک بیعت کا سلسلہ چلتا رہا۔

عثمان رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے

غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں ذوالنورین شریک ہوئے۔ جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی وجہ سے حضرت حبیب کبریٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مدینہ میں اپنے جانشین کے طور پر چھوڑ دیا تھا۔ غزوہ احد، غزوہ بنو نضیر، غزوہ خندق، جنگ خیبر اور جنگ حنین میں آپ برابر شریک رہے، خلیفہ اول اور خلیفہ دوم کے عہد خلافت میں حضرت جامع القرآن نے ان سے مکمل تعاون کیا، ہر معاملے میں ان کے مشیر رہے۔ مجلس شوریٰ کے انتہائی اہم رکن تصور کیے جاتے تھے اور نہایت صدق و خلوص کے ساتھ مشورے دیتے تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ ہجری مطابق ۶۴۴ء بروز یک شنبہ خلیفہ ثالث کی حیثیت سے آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔

خلافت عثمانی اسلامی فتوحات کا دور تھا

حضرت عثمان کے دور خلافت میں ۲۴ھ ہجری سے ۳۲ھ ہجری تک مشرق وسطیٰ کی بڑی بڑی مہمات جاری رہیں۔ افریقہ میں مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ ۲۵ھ ہجری سے ۳۱ھ ہجری تک جاری رہا۔

آپ کے عہد خلافت میں مملکت اسلامیہ کی حدود ہندوستان، روس، افغانستان،

لیبیا، الجزائر، مراکش اور بحیرہ روم کے جزائر تک وسیع ہو گئی تھیں۔ فتوحات کا سلسلہ آرمینیا کے علاقے سے شروع ہو کر بحیرہ روم کے جزیرہ اردو کی تسخیر پر ختم ہوا۔ مفاد عامہ کے کاموں میں سڑکیں بنوائی گئیں۔ مہمان خانے تعمیر کرائے گئے۔ دریا وغیرہ پر پل باندھے گئے، مساجد کثرت سے تعمیر کرائی گئیں۔ مفتوحہ علاقوں میں چھاؤنیاں قائم کیں۔ چراگاہوں میں موسیقیوں کے لیے چشمے کھدوائے۔ رعایا کی آسائش کے لیے سڑکیں پل اور مسافر خانے بنوائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محرم ۲۳ ہجری سے ذی الحجہ ۳۵ ہجری تک خلافت کے فرائض اور ذمہ داری نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی سے پورے کیے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں نے بہت ترقی کی۔ بہت سے ملک فتح کیے۔ قیصر روم کی طاقت کا بھی خاتمہ ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار تھے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسلام کے لیے جان و مال نثار کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ کوئی ضرورت مند آپ کے دروازہ سے کبھی مایوس ہو کر نہیں گیا، ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرنا ان کا معمول تھا۔

مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ مسجد نبوی میں تمام نمازی سامنے نہیں سکتے تھے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کون ہے جو فلاں فلاں خاندان کی زمین کا ٹکڑا خرید کر وقف کرے گا۔ اس کے صلہ میں اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی۔“

یہ سنتے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ قطعہ زمین خرید کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے ۳۹ ہجری میں مسجد نبوی میں بھی توسیع کی

اور مسجد حرام میں بھی توسیع کی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ عثمان ہم سب سے بڑھ کر صلہ رحمی کرنے والے متقی اور پرہیزگار تھے، وہ ان لوگوں میں سے تھے جو ایمان اور تقویٰ میں درجہ کمال حاصل کر لیتے ہیں۔

جس وقت تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کا سامان جمع کر رہے تھے۔ حضرت ہامع القرآن بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایک ہزار اشرفیاں آپ کی گود میں الال دیں۔ ساتی کوثر علیہ السلام ان اشرفیوں کو اپنی گود میں الٹتے پلٹے رہے اور فرماتے تھے کہ عثمان کو اب کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ آج کے بعد جو چاہیں کریں، دو مرتبہ صادق الصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ دہرایا۔

غزوہ تبوک کے سلسلے میں ایک اور روایت حضرت عبدالرحمن بن خباب رضی اللہ عنہ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک کی تیاری کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اکٹھا کیا اور جہاد کی اہمیت و فضیلت پر روشنی ڈالی۔ تاکہ لوگ اپنا مال اس کے لیے دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فوراً کھڑے ہوئے اور ساز و سامان کے ایک سواونٹ پیش کرنے کا اعلان فرمایا۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خطبہ جاری رکھا۔ یہ پھر دوبارہ کھڑے ہوئے اور دو سواونٹ دینے کا اعلان فرمایا، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا۔

خلیفہ ثالث پھر تیسری مرتبہ کھڑے ہوئے اور تین سواونٹ دینے کا اعلان فرمایا، اس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور فرمایا ”کہ عثمان کے اس عمل کے بعد انہیں آخرت میں اور کسی چیز کی ضرورت ہے جو نجات اخروی کے لیے درکار ہو۔“

تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ محبت والفت جام شہادت نوش کرتے وقت تک قائم رہی، چنانچہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سے مدینہ چھوڑ کر شام چلنے کو کہا، تو فرمایا: ”میں نہ مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑوں گا اور نہ ہی روضہ اقدس کے قرب سے محرومی

مجھے گوارا ہے۔ جان جاتی ہے تو جائے۔

امام ذوالنورین مہاجر اول ہیں

کے میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے کفار بہت مشتعل ہو گئے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان کے ظلم و ستم کا شکار ہو رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر معہ اپنی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ یہ پہلا قافلہ تھا جس نے حق و صداقت کی محبت میں وطن چھوڑ کر ہجرت کی تھی، چند سال بعد وہ واپس مکہ تشریف لے آئے، اور مدینہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ ہوا، چنانچہ وہ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے، مدینہ جا کر وہ حضرت اویس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مہمان رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت خریدی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲ مرتبہ جنت خریدی۔ ایک دفعہ اس وقت جب انہوں نے مدینہ میں چاہ رومہ خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا۔ دوسری دفعہ اس وقت جب جنگ تبوک کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

مدینہ شریف آ کر مسلمانوں کو پانی کی شدید قلت تھی۔ ایک یہودی کے پاس کنواں تھا۔ جس کو اس نے ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وہ کنواں اٹھارہ ہزار روپے میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ ان کے اس جذبہ ایثار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کو بید متاثر کیا آج بھی یہ کنواں بیسرومہ کہلاتا ہے۔ پانی موجود ہے، بہت ہی میٹھا اور عمدہ پانی ہے۔ یہ کنواں مدنیہ شریف کی آبادی سے تقریباً چار میل پر واقع ہے۔ تمام زائرین اس کنویں پر جاتے ہیں اور فیض یاب ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی تیاریوں کا اعلان کیا، کیوں کہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت روم کا مقابلہ کرنا تھا اور مسلمان بے سروسامان تھے، چنانچہ حضرت عثمان نے اکیلے سارے لشکر کے لیے سامان جنگ وغیرہ خرید کر دیا۔ اس کے علاوہ بھاری رقم لے لی دی۔ آنحضرت اس امداد سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اب اگر عثمان نفلی ثواب کا کوئی کام نہ بھی کریں تو حرج نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ایک نہائی فوج کے جملہ اخراجات اپنے ذمے لیے، ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور سامانِ رسد کے لیے ایک ہزار دینار پیش کیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا:

”آج کے بعد عثمان کا کوئی عمل ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔“

قرآن کی جمع و تدوین اور اس کی اشاعت کا شرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا

امام ذوالنورین کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کی جمع و تدوین اشاعت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے عہد صدیقی کا مدون کیا ہوا نسخہ لے کر حضرت سعید بن العاص سے اس کی نقل کرا کر تمام ممالکِ محروسہ میں اس کی اشاعت کی۔ یہ امت مسلمہ پر احسانِ عظیم ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تب وحی تھے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تب وحی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی لیت نازل ہوتی تھی، تو حضرت کے حکم سے آپ اسے لکھ لیا کرتے تھے۔ کا تب وحی ہونے کے علاوہ آپ حافظ قرآن بھی تھے۔ آپ نے سب سے پہلے قرآن کریم حفظ کیا۔ اور آپ اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے حافظ قرآن ہیں۔

وحی کے علاوہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اور نجی خطوط بھی آپ لکھا کرتے تھے

اور اس طرح آپ کا تب نبی بھی تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت عابد و زاہد تھے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی راتیں عبادت و ریاضت میں بسر ہوتیں۔ ہر روز عشاء کی نماز کی امامت سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہوتے، وتر کی ادائیگی میں پورے قرآن پاک کی تلاوت کر لیتے تھے۔

جس دن شہادت ہونے والی تھی آپ روزہ سے تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ خواب میں حضور ﷺ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تشریف لائے، فرمایا عثمان جلدی کرو ہم تمہارے ساتھ افطار کے منتظر ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تو فرمایا: میری وفات کا وقت آ گیا ہے۔

جب باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کیا، تو ان کی سرکشی اتنی بڑھی کہ دیواریں پھاند کر گھر میں کود گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روزے سے تھے اور قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ انہوں نے باغیوں سے کہا: ”تم سخت غلطی کر رہے ہو۔ اگر مجھے شہید کیا تو مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ پھر تم نماز تک اکٹھے نہ پڑھ سکو گے۔“

۱۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن پڑھتے ہوئے شہید کر دیا گیا، ان کی زوجہ نائلہ بچانے کے لیے دوڑیں، تو ان کی ہتھیلی اور انگلیاں کٹ گئیں۔ قرآن حکیم کی آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ پر خون کے چھینے گرے، اس واقع کے بعد مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف چلنے لگیں۔ بلاشبہ امام ذوالنورین کی شہادت تاریخ اسلام کا سب سے بڑا سانحہ کہ جانے کا مستحق ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ سال امور خلافت انجام دیے ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری ۸۲ سال جام شہادت نوش فرمایا۔

بیتِ رضوان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حدیبیہ کے مقام پر تقریباً ڈیڑھ ہزار مہاجرین و انصار روشن ستاروں کی طرح ماہتاب نبوت کو گھیرے ہوئے ہیں۔ چشمِ فلک نے ان سے بہتر امت نہ کبھی دیکھی تھی اور نہ آئندہ دیکھ سکے گی۔ حضور ﷺ چاہتے ہیں کہ کوئی سکے جائے اور قریش کو اطلاع دے کہ مسلمان پر امن طریقہ پر مکہ میں طواف کعبہ کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس کام کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا گیا اور آپ نے حضور ﷺ کا پیغام ابوسفیان کو دیا۔

ابوسفیان نے صاف انکار کر دیا، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا، یہاں آئے ہو تو کعبہ کا طواف بھی کر لو۔ وہ کون سا مسلمان ہے جو بیت اللہ کو دیکھ کر پروانہ وار طواف کے جذبہ سے بے چین نہ ہو جائے؟ اور پھر سیدنا عثمان جیسا عابد و زاہد۔ اللہ اکبر۔ مگر یہاں جذبہ عشق نبوی اور عبادت الہی میں کش مکش شروع ہو گئی۔ ذوق عبادت کہتا ہے کہ برسوں کے بعد طواف کا موقع ملا ہے کر لو طواف کعبہ۔ خدا جانے پھر موقع ملے نہ ملے اور ادھر عشق بار بار کعبہ حقیقت کی یاد دلا رہا ہے۔ وہ قبلہ مقصود جس کا ہر نقش قدم قبلہ گاہ دو عالم ہے۔ اس کش مکش میں زیادہ وقت نہیں ہوا، ادھر طواف کی فرمائش ہوئی ادھر زبان عثمان سے بے ساختہ ایک نورانی جملہ نکلا، جو شمع رسالت کے پروانوں کے لیے مثالی اور بلند ترین نمونہ گفتار و کردار ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”میرا کعبہ حقیقت تو حدیبیہ میں جلوہ افروز ہے۔ اس کے بغیر میں تنہا کس طرح طواف کعبہ کر سکتا ہوں؟“

بلاشبہ مناسک حج و عمرہ بجائے خود عشق و دیوانگی کا سب سے بڑا عملی درس ہے۔ لیکن امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ ایک بصیرت افروز اور عشق انگیز جملہ عشق و محبت کی پوری کائنات اور تمام مناسک پر بھاری ہے۔ جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے

ذوقِ عبادت کو عشقِ نبوت پر قربان کر دیا اور امت کو بتادیا کہ ایمان اسے کہتے ہیں۔

ابھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ سے واپس نہ ہوئے تھے کہ یہ غلط خبر پھیل گئی کہ عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ مسلمان یہ خبر سن کر تڑپ اٹھے، لیکن اس خبر نے سب سے زیادہ جس کو تڑپا یا وہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے جن کے بغیر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو طوافِ کعبہ کرنا بھی گوارا نہ تھا۔

آنحضور ﷺ ایک کیکر یا بول کے درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور آواز دی کہ ”آج سردھڑکی بازی لگا دو، کٹ مرنے کی بیعت کرو“۔ یعنی عثمان کا خون اتنا سستا نہیں کہ اسے خاموشی سے گوارا کر لیا جائے۔ خون عثمان کا بدلہ لینے کے لیے کٹ مرنے کا عہد کرو۔ عجیب منظر تھا۔ ڈیڑھ ہزار صحابہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ہو رہے تھے۔ ان میں صدیق و فاروق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ بیعت اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ قرآن میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان بیعت کرنے والوں سے راضی ہو گیا۔ اللہ اکبر خون عثمان کے احترام میں ڈیڑھ ہزار اشرف الناس نفوس قدسیہ سے اللہ کے رسول نے بیعت لی اور اس ادائے بیعت پر قدرت بھی جھوم اٹھی اور سندِ رضوان و پروانہ ایمان نازل فرما دیا:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

”بلاشبہ اللہ راضی ہو گیا ان ایمان والوں سے جنہوں نے اے نبی تیرے ہاتھ پر بیعت کی درخت کے نیچے۔“

غور کیجئے اس سے بڑا مرتبہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ خون عثمان کو اتنا قیمتی قرار دیا گیا کہ ڈیڑھ ہزار مہاجرین و انصار سے بیعت لی گئی۔ کیا کسی دور میں کسی انسان کا خون اتنا قیمتی قرار دیا گیا ہے؟ جتنا کہ عثمان کا جب تمام اہل ایمان بیعت کر چکے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ہے، اب میں عثمان کی بیعت لیتا ہوں۔“

غور کیجئے

(۱) بیعت مرے ہوئے کی نہیں لی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت لے کر یہ اشارہ کر دیا کہ عثمان زندہ ہیں شہید نہیں ہوئے ہیں۔ یہاں یہ نہ پوچھئے کہ حضور ﷺ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا؟ پیغمبر اسلام کی نگاہیں زبان و مکان کی حدود کو چیر کر بھی آگے نکل جاتی ہیں اور وراء الوراء کے غیوب کو بھی دیکھ لیتی ہیں۔

(۲) پھر اہل علم و دانش کے لیے یہ ایک لمحہ فکر یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی اپنے دست مبارک کو کسی دوسرے کا ہاتھ قرار نہیں دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ وہ جسے خدا اپنا ہاتھ قرار دیتا ہے۔ اے رسول ﷺ! جو لوگ تمہاری بیعت کر رہے ہیں۔ یہ (تمہارا ہاتھ نہیں) خدا کا ہاتھ ہے جو ان سب ہاتھوں کے اوپر ہے۔

سبحان اللہ حضور ﷺ نے عثمان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ مختصر یہ کہ بیعت رضوان جناب امام ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے کامل الایمان مخلص مسلمان، جاں نثار رسول ہونے اور اسلام میں ان کے رتبہ کی عظمت و رفعت بلندی و برتری کے ثبوت کے لیے ایک ایسا نورانی واقعہ ہے جس کا انکار آفتاب کے انکار کے لیے مترادف ہے۔

فضائل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا ہے کہ ”الہی میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو“۔ عثمان خدا تمہارے اگلے پچھلے ظاہر اور چھپے ہوئے اور روزِ قیامت تک ہونے والے گناہ معاف کر دے جنت میں عثمان میرے رفیق ہوں گے۔“

”عثمان دنیا اور آخرت میں میرے قریبی دوست ہیں۔“

”عثمان شرمیلی طبیعت کے مالک ہیں، ملائکہ بھی ان سے شرماتے ہیں۔“

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کر بیٹھ جاتے اور اپنے کپڑے کو بھی سمیٹ لیتے۔ ایک روز کسی نے پوچھا یا حضرت آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ عثمان کے آنے پر اس قدر مسرت کیوں جاتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا میں ایسے آدمی سے کیوں شرم نہ کروں جس سے خدا کے فرشتے بھی شرم کرتے ہیں۔ (مسلم)

ہر نبی کے کچھ رفیق ہوتے ہیں اور میرے رفیق جنت میں عثمان ہیں۔ (ترمذی)

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کا سامان کر رہے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار اشرفیاں آستین میں رکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور آپ کی گود میں ڈال دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان اشرفیوں کو اپنی گود میں اٹھتے پلٹتے تھے اور فرماتے تھے کہ عثمان کو اب کوئی عمل نقصان نہیں دے سکتا۔ آج کے بعد جو چاہیں کریں دوسرے یہی فرمایا۔

(مسند احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ پہاڑ پہنچے لگا تو آپ نے اپنے پاؤں سے اسے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”اے احد ٹھہر جا، تجھ پر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں (یعنی

حضرت عمر اور عثمان)۔ (صحیح بخاری)

دور عثمانی ایک نظر میں

(۱) ۳۳ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے۔

(۲) اولین چودہ مسلمانوں اور عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔

(۳) حبشہ اور مدینہ کی ہجرتیں کیں۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم

کاح میں آئی۔

(۵) بدر کے سوا تقریباً تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

(۶) آپ کی شرم و حیا اور سخاوت ضرب المثل تھی۔

(۷) اکثر غزوات کے لیے بھاری عطیات دیے۔

(۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر مسجد نبوی کی توسیع کے لیے زمین خرید کر پیش کی۔

(۹) بیرومہ خرید کر اہل مدینہ کی نظر کر دیا۔

(۱۰) حضرات شیخین کے ادوار خلافت میں ان کے قربی معتمد رہے۔

(۱۱) یکم محرم ۲۴ ہجری کو تیسرے خلیفہ منتخب ہوئے۔

(۱۲) ان کے دور میں مملکت اسلامیہ کی حدود ہندوستان، روس، افغانستان، پاکستان،

لیبیا، الجزائر مراکش اور بحیرہ روم کے جزائر تک وسیع ہو گئیں۔

(۱۳) مسلمانوں نے بحری لڑائیوں میں رومیوں کو فیصلہ کن شکست دی۔

(۱۴) کئی ملکوں میں بغاوتوں کو کامیابی سے کچلا گیا۔

(۱۵) ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری بروز جمعہ شہید کیے گئے۔

حضرت امام ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ارشادات

دنیا کے رنج و غم سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کے فکر و اندوہ

سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔

مجھے تین چیزیں مرغوب ہیں۔ بھوکوں کو آسودہ رکھنا، بنگلوں کا تن ڈھانپنا اور

قرآن حکیم کی تلاوت کرنا۔

سب سے زیادہ بربادی یہ ہے کہ کسی کو بڑی عمر ملے اور وہ سفر آخرت کی کچھ

تیاری نہ کرے۔

دنیا جس کے لیے قید خانہ ہو قبر اس کے لیے باعث راحت ہوگی۔

محبت اللہ کو تنہائی محبوب ہوتی ہے۔

جب لوگوں کو اچھا کام کرتے ہوئے دیکھو تو ان کے ساتھ شریک ہو جائیے۔

اللہ کے ساتھ تجارت کرو تو بہت نفع ہوگا۔

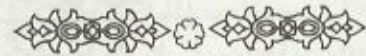
تعجب ہے اس پر جو دوزخ کو برحق جانتا ہے اور پھر گناہ کرتا ہے۔

تعجب ہے اس پر جو اللہ کو حق جانتا ہے اور غیروں کا ذکر کرتا ہے اور پھر ان پر

بھروسہ کرتا ہے۔

بندگی کے یہ معنی ہیں کہ مسلمان احکام الہیہ کی اطاعت کرے جو عہد کسی سے

کرے پورا کرے۔ جو کچھ مل جائے اس پر صبر کرے۔



خلیفہ چہارم امیر المومنین مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

(وفات ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ ہجری)

آپ کا نام نامی علی کنیت ابو الحسن اور ابو تراب ہے۔ آپ کے والد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کعبہ میں پیدا ہوئے آغوش نبوت میں تربیت پائی

جناب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی ولادت مکہ معظمہ میں کعبۃ اللہ شریف کے اندر ۱۳ رجب ۳۰ ہجری عام الفیل بروز جمعۃ المبارک کو ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام علی رکھا۔ آپ کے والد بزرگوار ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمنف ہیں۔ باعتبار نسب آپ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی ہیں۔ آپ کی کنیت ابو تراب اور مشہور لقب حیدر کرار ہے۔ آپ کی تربیت تمام وکمال حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش رحمت میں ہوئی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت عطا ہوئی۔ تو اس کے ایک دن بعد شرف ایمان سے فیض یاب ہوئے اس وقت آپ کی عمر گیارہ سال تھی۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مسجد نبوی میں ایک سائل نے سوال کیا، کسی نے کچھ نہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں تھے۔ اپنی انگلی کی انگوٹھی کی طرف اشارہ کر دیا اور سائل نے انگوٹھی اتار لی، خوش و خرم واپس ہوا۔

شانِ علی رضی اللہ عنہ

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر فرمایا:

”تمہاری حیثیت میرے ساتھ ایسی ہے۔ جیسے ہارون کی موسیٰ کے ساتھ۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“ (ترمذی)

”علی میرے ہیں اور میں علی سے ہوں۔“ (ترمذی)

”جس کا میں مددگار ہوں، علی بھی اس کے مددگار ہیں۔“ (احمد)

”میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔“ (ترمذی)

”منافق علی سے محبت نہیں رکھتا اور مومن علی سے بغض نہیں رکھ سکتا۔“

(ترمذی)

”جس نے علی کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔“ (احمد)

”علی کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے۔“ (ترمذی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا شاہکار ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ محبوب خدا، سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا شاہکار ہیں۔ آپ نے تاریخ کے مہیب اندھیرے میں حق و صداقت کا چراغ روشن کیا، حکمت علم و فضل اور بلاغت میں آپ اپنی نظیر تھے۔ آپ کی شجاعت و بہادری تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہے۔ آپ کی سیرت، سیرت نبوی کے گرد گھومتی ہے۔ آپ نے حق اور حقیقت کے لیے جان جیسی عزیز چیز قربان کر دی۔ فاتح خیبر شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ آپ تقویٰ و طہارت، شجاعت علم اور حسن اخلاق کا مجسمہ تھے۔ ان کی زندگی، سادگی اور فقر کا کامل نمونہ تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایثار و قربانی کا نمونہ تھے

ایک دفعہ حسین رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نذرمانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس صاحبزادے کو شفا دے دے، تو وہ تین روزے رکھیں گے۔ نذر قبول ہوئی۔ آپ

نے روزہ رکھا اور افطار کے لیے کچھ نہ تھا۔ آپ تھوڑی سی روٹی لائے۔ خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس روٹی کو کاٹا اور اس کی اجرت سے جو پیسے آئے۔ اسکا آٹا منگوا کر روٹیاں پکائیں جب افطار کا وقت آیا، تو ایک مسکین نے دروازہ پر سوال کیا۔ آپ نے وہ روٹیاں مسکین کو دے دیں اور خود پانی پر اکتفا کر کے صبح کو روزہ رکھا۔

قرآن مجید کی آیت ان الابرار یشربون من کاس الخ۔ آپ ہی کی شان سخاوت و غرباء پروری کے متعلق نازل ہوئی۔

مسند خلافت پر جلوہ افروزی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ۲۶ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو آپ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مسلمانوں میں فتنہ کا دروازہ کھل چکا تھا، چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں جنگ جمل اور جنگ صفین ہوئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پیشوائے طریقت ہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، نجیب الطرفین ہاشمی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق، سرخیل اولیاء اور خلیفہ چہارم ہیں۔ بحر علم و حکمت، مخزن سخاوت، سلطان الشجاع، رہبر اولیائے اللہ مظہر العجائب، امام المشرق والمغرب، راز دان شریعت و پیشوائے طریقت ہیں۔ انا مدینۃ العلم و علی بابہا سے آپ کا علوم نبوت کا مظہر ہونا واضح ہے۔

خلفائے ثلاثہ کے آپ مشیر تھے

حضرت صدیق و فاروق و عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ ہائے خلافت میں آپ ان کے معتمد مشیر۔ دست و بازو رہے۔ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہم معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب عمر رضی اللہ عنہ کے بہترین ہمدرد تھے۔

کمرہمت ٹوٹ گئی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فتح خیبر کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا

خیبر کا قلعہ قمر و ص جب فتح نہ ہو سکا، تو حضور ﷺ نے لشکر اسلام کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ حضور ﷺ نے لعاب مبارک لگا دیا۔ آشوب چشم جاتا رہا۔ آپ ایک ہی جست میں خندق کو پار کر کے قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گئے۔ اس کے ایک کواڑ کو ڈھال بنا کر لڑے اور قلعہ فتح کر لیا۔ آپ کے اس تیر کن قوت کو دیکھ کر دنیا حیران رہ گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں جست لگاؤں تو آسمان تک پہنچ جاؤں حضور ﷺ کے لعاب مبارک ہی کی برکت تھی آپ سخت جاڑوں کے موسم میں باریک قسم کے کپڑے استعمال کرتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

صحابہ و اہل بیت سے محبت اور ان کا احترام ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھنا عبادت ہے۔ اولیاء اللہ کے فیض و ہدایت کا مرکز علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات ہے۔ قطب ابدال اوتاد جناب علی سے تربیت حاصل کرتے۔ ان کی امداد و اعانت سے راہ سلوک طے کرتے ہیں۔ جناب علی رضی اللہ عنہ سے محبت اہلسنت ہونے کی شرط ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ ذوالحجہ ۵ ہجری میں خلیفہ ہوئے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ ہجری کو شہید ہوئے۔ جناب حسن و حسین کے علاوہ آپ کی دیگر ازواج سے سولہ فرزند تھے۔ بعض نے تصریح کی کہ آپ کے کل انیس بیٹے ۱۸ بیٹیاں تھیں۔ چھ صاحبزادے آپ کی حیات ہی میں انتقال کر گئے۔ باقی تیرہ میں سے چھ یعنی عباس بن علی، عثمان بن علی، عمر

بستر رسول پر آرام کرنے کا شرف

ہجرت کے وقت آپ کو ایک اور شرف عطا ہوا۔ جب حضور سید عالم ﷺ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کا قصد فرمایا۔ تو جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ کے بستر پر چار داڑھ کر لیٹ جائیں اور دوسرے دن لوگوں کو امانتیں واپس کر دیں جو ”محمد الامین“ کی تحویل میں تھیں۔ گھر کے باہرنگی تلواریں چمک رہی تھیں اور نیزے لہرا رہے تھے۔ کفار اس بستر پر لیٹنے والے کے خون کے پیاسے تھے۔ مگر علی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خواب راحت کے مزے لے رہے تھے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ اس رات بستر نبوی پر لیٹے لیٹے علی نے مدارج اور مراتب کی کتنی منزلیں طے کر لیں تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں کوئی گزند نہ پہنچی۔ مگر انہوں نے تو راہ خدا میں اپنے آپ کو وقف کر دیا اور وہ اس رات کے ایک ایک لمحے میں شہادت عظمیٰ کے مقام پر فائز رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں شریک ہوئے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سوائے غزوہ تبوک کے تمام غزوات میں حضور نبی کریم ﷺ کے ہر کام میں شریک ہوئے۔ غزوہ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے۔ ان میں سے ۲۱ مشرک آپ کی تیغ سے قتل ہوئے تھے۔ غزوہ احد میں جب حضور اکرم ﷺ کو کفار نے اپنے نرغہ میں لے لیا۔ تو اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ کر کفار پر شدید حملے کیے اور شجاعت کا بے مثل کارنامہ پیش کیا۔ غزوہ خندق میں جب عمرو بن عبدود نے جو قوت اور بہادری میں ہزار آدمیوں پر بھاری سمجھا جاتا تھا۔ مقابل صفِ عسکرِ اسلام ہوا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں نکلے اور ذوالفقار نے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اس طرح عمرو بن عبدود کے قتل سے دشمنان اسلام کی

بن علی، ابوبکر بن علی، ابوالقاسم، محمد بن علی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کر بلا میں شہید ہوئے۔ دنیا میں اس وقت صرف پانچ بیٹوں حسن، حسین، محمد بن حنفیہ، عباس، عمر سے آپ کی نسل چل رہی ہے۔

شہادت

۱۸ رمضان المبارک ۴۰ ہجری جامع مسجد کوفہ میں تھے کہ شقی ازلی ابن ملجم خارجی نے اس شیعہ ہدایت پر جس کی حیات کا ایک ایک لمحہ نوع انسانی کے لیے مشعل راہ تھا اور جو تقویٰ، پرہیزگاری، علم و معرفت میں یکتائے روزگار تھے۔ زہر آلود خنجر سے زخمی کیا اور یہ علم و فضل کا آفتاب ۲۱ رمضان المبارک کو غروب ہو گیا۔ آپ کا روضہ اقدس نجف اشرف میں فیوض ولایت محمدی کا مرکز اور اولیاء امت کا لجا و ماویٰ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات

آپ فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں حضور ﷺ کا عکس جمیل تھے۔ آپ کے اقوال اور خطبے اثر پذیری میں آپ اپنی مثال تھے۔

(۱) اے دنیا! اے دنیا! کیا تو میرا امتحان لینے چلی ہے اور مجھے بہکانے..... کی ہمت کی ہے، مایوس ہو جا، کسی اور کو فریب دے، تیری عمر کوتاہ، تیرا عیش بے حقیقت، تیرا خطرہ زبردست، ہائے زاوراہ کس قدر کم ہے۔ سفر کتنا طویل..... اور استہ کس قدر وحشت ناک ہے۔“

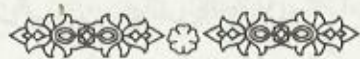
(۲) کسی حریص کو اپنا مشیر نہ بناؤ۔ کیونکہ وہ تم سے وسعت قلب اور استغنا چھین لے گا۔

(۳) کسی بزدل کو اپنا مشیر نہ بناؤ، کیونکہ وہ تمہارے ولولوں اور حوصلوں کو ٹھکست دے دے گا۔

(۴) کسی جاہ پسند کو اپنا مشیر نہ بناؤ کیونکہ وہ تمہارے اندر حرص و ہوا پیدا کر دے گا۔ اور تمہیں ظالم اور آمر بنا دے گا۔

(۵) تنگ دلی، بزدلی اور حرص انسان سے اس کا ایمان سلب کر لیتی ہے۔

(۶) ایسے لوگ تمہارے لیے بہتر مشیر ثابت ہو سکتے ہیں، جنہیں خدا نے ذہانت اور بصیرت سے نوازا ہو گا جن کے دامن پر کسی گناہ کا داغ نہ ہو اور جنہوں نے کبھی کسی ظالم کی اعانت نہ کی ہو۔



خلیفہ راشد سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

(وفات ۵ ربیع الاول ۵۰ ہجری)

(۱) سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے صاحبزادے اور حضور سید المرسلین علیہ السلام کے مقدس نواسے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ رمضان المبارک کی ۱۵ تاریخ ۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور ہمر ۴ سال ۵۰ ہجری یا ۴۹ ہجری میں وصال فرمایا اور جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں دفن ہوئے۔

(۲) آپ چال ڈھال شکل و شبہات میں اور رنگ و روپ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے، بڑے عابد زاہد تھے۔ راہ خدا میں دومرتبہ آدھا مال صدقہ کیا اور ۲۵ حج پیدل کیے۔ بہت ہی نخی حلیم، ذی وقار اور صاحب حشمت تھے۔

(۳) زندگی بھر فحش کلمہ زبان سے نہیں نکالا، لڑائی، جھگڑا، اور فتنہ و فساد کو بہت برا سمجھتے تھے۔ اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد سات ماہ تک مسند خلافت پر متمکن رہے۔ جب اہل کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، تو جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی شکل پیدا ہو گئی۔ آپ نے مسلمانوں کی باہم لڑائی اور خونریزی کو پسند نہ کیا اور چند شرائط کے ساتھ خلافت جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی اور صلح ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی پوری ہوئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرا بیٹا مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

(۴) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر

بیعت کی تھی۔ بیعت کرنے والے چالیس ہزار تھے اور آپ نے خلافت کا کام جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ۱۵ جمادی الاولیٰ ۴۱ ہجری میں سپرد کیا تھا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے تیرہ حدیثیں مروی ہیں:

(۵) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے آپ کے صاحبزادے حسن بن حسن، حضرت ابو ہریرہ اور ایک بڑی جماعت نے حدیث روایت کی ہے اور آپ سے تیرہ حدیثیں مروی ہیں۔

(۶) کرمانی شرح بخاری میں ہے کہ آپ کے فضائل و مناقب بے حدود بے شمار ہیں۔ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فرشتہ جو آج سے قبل زمین پر نازل نہیں ہوا اس نے مجھے منجانب اللہ بشارت دی ہے۔

إِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔ (ترمذی)

”حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کندھوں پر بٹھایا، تو کسی نے کہا سواری بڑی شاندار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ سواری بھی بڑی شان والا ہے۔ (حاکم)

بوقت سجدہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ مبارک پر چلے جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک سراقدس نہیں اٹھاتے تھے۔ جب تک جناب حسن اتر نہ جاتے تھے۔

(۷) آپ کا نام حسن، حضرت جبریل علیہ السلام کی فرمائش پر رکھا گیا، سیدنا امام حسن، ائمہ اثنا عشرہ میں امام دوم ہیں۔ لقب تقی، و سید عرف سبط رسول اور آخر اخطفاء بانص بھی آپ کو کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حسن و حسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔“ (ترمذی)

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ بہت زاہد متقی، پرہیزگار، نخی، فیاض، نہایت حلیم اور صاحب وقار تھے۔ فتنہ و فساد اور خون ریزی سے آپ کو نفرت تھی۔ اسی بناء پر آپ نے چند ماہ

چند روز کوفہ میں امور خلافت انجام دے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ سالانہ جناب حسن رضی اللہ عنہ کے لیے مقرر تھا۔ آپ کی شہادت زہر کے اثر سے ہوئی۔ آپ کو کس نے زہر دیا؟ اس کے متعلق صرف یہ فرمایا:

”جس پر میرا شبہ ہے۔ اگر وہی ہے تو اللہ تعالیٰ سخت انتقام لینے والا ہے۔ ورنہ میرے واسطے کوئی کیوں ناحق قتل کیا جائے۔ ۵ ربیع الاول ۵۰ ہجری میں امام حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ہے۔

(۵) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

آپ فضلاء صحابہ و غازیان اسلام سے ہیں۔ تمام معرکوں میں حضور ﷺ کے ہمراہ رہے۔ آپ آغاز میں ہی اسلام لائے۔ آپ کی بیوی فاطمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ یہ ہی فاطمہ ہیں۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بنیں۔ متقی پرہیز گار ایسے تھے کہ مروان کے دربار میں ایک عورت نے شکایت کی کہ سعید نے میری زمین غصب کر لی ہے۔ جب مروان نے آپ کو طلب کیا حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میری نسبت یہ خیال کرتے ہو۔ حالانکہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے جو شخص ایک بالشت بھر زمین کسی کی ظلم سے حاصل کرے گا۔ قیامت کے دن ساتوں زمینوں کے طوق اس کی گردن میں ڈالے جائیں گے۔ اس کے بعد بارگاہ الہی میں عرض کی، اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اے خدا تو اسے اندھا کر دے اور اسے اس کے گھر کے کنویں میں گرا دے تاکہ مسلمانوں پر میری صداقت واضح ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس عورت کی بیٹائی جاتی رہی اپنے ہی مکان کے کنویں میں گر گئی اور وہی کنواں اس کی قبر بن گیا۔ ۵۰۔ ۵۱ ہجری یا ۵۵ ہجری میں بمقام عقیق وفات پائی۔ ابن عمر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے غسل دیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی آپ کے

جسم سے خوشبو آ رہی تھی۔ آپ عشرہ مبشرہ سے ہیں۔

(۶) حضرت طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

آپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تلقین پر مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو خلافت کا اہل قرار دیا۔ احد و بدر و جملہ غزوات میں حضور ﷺ کے ہمراہ رہے۔ احد کی لڑائی میں آپ نے اپنے جسم کو حضور ﷺ کا سپر بنایا، جو تیر کا فر آپ ﷺ پر پھینکتے۔ آپ اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔ اس جانثاری و عقیدت کا صلہ یہ ملا کہ حضور ﷺ نے فرمایا طلحہ کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ آپ نے حضور کی حفاظت کے موقع پر ہاتھ پر ۲۴ سر پر تلوار کی ایک ضرب، کل بدن پر تلوار و نیزے کے ۵۷ زخم کھائے جناب علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا طلحہ، عثمان اور زبیر رضی اللہ عنہم وہ ہیں جن کے حق میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ایک دوسرے کے سامنے بھائی بن کر رہیں گے۔ ۱۰ جمادی الثانی ۳۶ ہجری واقعہ جمل میں ساٹھ سال کی عمر پا کر شہید ہوئے۔

(۷) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

آپ نے ہجر پندرہ سال اسلام قبول کیا، حبشہ و مدینہ کی طرف دو ہجرتیں کیں۔ اسلام لانے کے جرم میں آپ کا چچا کھجور کی صف میں لپیٹ کر آپ کو دھواں کرتا تھا۔ مگر آپ کے استقلال میں ذرا فرق نہ آیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ احد میں ثابت قدم رہے۔ آپ اسلام لانے والوں میں پانچویں ہیں۔ حضور ﷺ کے عاشق صادق، ان کے جسم پر ایسا کوئی حصہ نہ تھا۔ جو حضور ﷺ کی محبت میں کفار کی تلواروں اور تیروں سے زخمی نہ ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہر نبی کا حواری ہوتا ہے۔ میرا حواری زبیر ہے۔ آپ کے ایک ہزار غلام تھے۔ وہ جو کچھ بھی کما کر لاتے، ایک درہم بھی اپنے لیے نہ رکھتے۔ سب مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد آپ کو

بھی خلافت کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا زیر ارکان دین میں سے ایک رکن ہیں۔ جنگ بدر میں فرشتے آپ کی شکل میں نازل ہوئے۔ آپ احد میں ثابت قدم رہے۔ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں الذین استجابوا لله والرسول سے حضرت ابوبکر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما مراد ہیں (پ ۴) (اسد الغابہ) آپ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ کی شان میں قصیدے کہے ہیں۔ ۳۷ ہجری ۱۰ جمادی الثانی ہمر ۷۷ سال شہادت پائی۔ (اصابہ)

(۸) عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

۱ ہجری عام الفیل مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ بھی ان پانچ بزرگوں میں سے ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے اسلام لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بھی شایان خلافت قرار دیا۔ ایک سفر میں حضور ﷺ نے آپ کے پیچھے نماز ادا کی۔ غزوہ احد میں متعدد زخم کھائے۔ پاؤں بھی زخمی ہوا جس کی وجہ سے لنگ آگئی۔ آپ کے شرف کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ حضور ﷺ نے خود دست مبارک سے ان کے سر پر عامہ باندھا، پشت پر چار انگشت شملہ چھوڑا، پھر فوج کا جھنڈا عطا فرمایا۔ دومتہ الجندل کو روانہ کیا، فرمایا جاؤ راہ خدا میں جہاد کرو۔ اللہ تمہیں فتح دے گا۔ چنانچہ فتح ہوئی۔ فتح مصر میں شریک ہوئے۔ بلکہ فوج کے ایک حصہ کے افسر رہے۔ حضور ﷺ نے آپ کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ آپ کے گھر میں اس قدر سونا جمع تھا کہ بوقت وصال کلہاڑیوں سے کاٹ کر ورشہ میں تقسیم کیا گیا۔ چار بیویاں تھیں، ہر ایک کے حصہ میں اسی اسی ہزار درہم آئے۔ آپ نے ایک ہزار اونٹ، ایک سو گھوڑے اور تین سو بکریاں چھوڑی تھیں۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد جو اصحاب بدر زندہ ہو، انہیں چار چار سو دینار دیے جائیں۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد یک صد صحابہ ایسے نکلے

جو بدر کی لڑائی میں شامل ہوئے تھے اور انہیں حسب وصیت چار چار سو دینار دیے گئے۔ آپ نے پچاس ہزار درہم عام غربا و مساکین میں اور ایک ہزار گھوڑے فی سبیل اللہ دینے کی وصیت بھی فرمائی تھی ۳۲ یا ۳۵ ہجری میں ہمر پچتر سال وفات پائی۔

(۹) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

آپ اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔ آپ بھی عشرہ مبشرہ اور اصحاب شوری کے چھ ارکان میں شامل تھے۔ بدر و احد احزاب و حنین تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ہمراہ رہے۔ جنگ فارس میں سپہ سالار افواج اسلام تھے۔ مدائن کسری کے فاتح ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو عراق کا اور حضرت عثمان نے کوفہ کا گورنر بنایا۔ آپ سب سے پہلے غازی ہیں۔ غزوہ احد میں آپ نے ایک ہزار تیر چلائے۔ حضور ﷺ فرماتے جاتے تھے۔ سعد تیر چلاؤ میرے ماں باپ قربان ہوں۔ حضور ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی کہ سعد جو بھی دعا کریں وہ قبول ہو۔ آپ نے راہ خدا میں سب سے پہلا تیر چلایا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو حضور ﷺ کے لیے پہرہ دیا کرتے تھے اور حضور ﷺ ان کے حق میں دعا فرمایا کرتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا یہ میرے ماموں ہیں، مجھے کوئی اپنا ایسا ماموں تو دکھا دے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ پانچ ہزار درہم زکوٰۃ نکالتے تھے، دو لاکھ پچاس ہزار درہم آپ نے ترکہ میں چھوڑے۔ ۵۱-۵۲ ہجری یا ۵۸ ہجری اسی سال کی عمر میں وادی عقیق میں وفات پائی آپ عشرہ مبشرہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

(۱۰) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

آپ اسلام لانے والوں میں نویں تھے۔ حبشہ و مدینہ کی طرف ہجرت کی تمام

غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے، حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں شام، عراق، فلسطین کی فتح میں لشکر اسلام کے سپہ سالار تھے۔ آپ کے والد اسلام نہیں لائے۔ بدر کی لڑائی میں آپ نے اپنے والد جراح کو قتل کر دیا تھا۔ جس پر آیہ لا تجد قومًا نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا کہ جو اللہ و رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اللہ و رسول کے دشمنوں اور مخالفوں میں دوستی نہیں رکھتے۔ اگرچہ وہ ان کے باپ بیٹے بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ صحابہ ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ (سورہ مجادلہ ۳) سورہ مجادلہ کی آیت جس کا ترجمہ پیش کیا گیا۔

صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا

یہ آیت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے باپ کو جنگ احد میں قتل کیا۔ حضرت صدیق اکبر جنہوں نے بدر کی لڑائی میں اپنے بیٹے عبدالرحمن سے مقابلہ کیا۔ حضرت مصعب ابن عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے بھائی عبداللہ کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو اور حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے بدر کی لڑائی میں اپنے عزیزوں کو قتل کیا کی شان میں نازل ہوئی، جس میں بتایا گیا کہ یہ نفوس قدسیہ ہیں جو قطعی جنتی ہیں اور یہ حب رسول کے مقابل خون کے رشتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔ ان کے دلوں میں ایمان پختہ ہو چکا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ حضور ﷺ کی محبت کو ہر قسم کی محبتوں پر غالب کر دینے کا نام اسلام اور ایمان ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کے امین حضرت ابو عبیدہ ہیں، جب فاروق اعظم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی جگہ آپ کو شام کا سپہ سالار بنایا، تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وداعی خطبہ میں لشکر اسلام کو مخاطب بنا کر کہا۔ تم پر اس امت کے امین کو حاکم

بنایا گیا ہے۔ احد کے موقع پر حضور ﷺ کے سر مبارک میں زرہ کے دونوں حلقے کھب گئے۔ آپ نے دانتوں سے دبا کر زرہ کو نکالا۔ اس وجہ سے آپ کے دونوں اگلے دانت ٹوٹ گئے، مگر خدا کی قدرت اور حضور ﷺ سے عقیدت و محبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے دانت اکھڑ جانے کے باوجود آپ کا چہرہ پہلے سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بڑے زاہد اور متواضع تھے۔ ۱۸ ہجری میں وفات پائی۔ بمقام عمواس یار ملہ میں دفن ہوئے ۵۸ سال عمر پائی۔

یہ ہیں وہ نفوس قدسیہ جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے جو قطعی جنتی، حضور ﷺ کے سچے شیدائی اسلام کے عاشق اور مسلمانوں کے محسن ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا

اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

جان ثار ان بدر و احد پر درود

حق گزاران بیعت پہ لاکھوں سلام

ان کے آگے وہ حمزہ کی جانبازیاں

شیر غران سطوت پہ لاکھوں سلام

جن کے اعدا پہ لعنت ہے اللہ کی

ان سب اہل محبت پہ لاکھوں سلام



میدان کارزار میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کفر جب اور جس وقت بھی اسلام کے مقابل آیا تو یہ ایک حقیقت ہے کہ امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مشیر، وزیر اور حضور علیہ السلام کے سچے جانثار ثابت ہوئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

معرکہ بدر

بدر کا معرکہ کفر و اسلام کی پہلی جنگ اور حق و باطل کا اولین فیصلہ کن معرکہ تھا۔ نبی اکرم نور مجسم رضی اللہ عنہ ایک سائے میں جلوہ فرما تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ اعلان کیا گیا کہ محافظت نبوی کے لیے کون اپنی جان پیش کرتا ہے تو ۳۱۳ افراد میں سے صرف صدیق اکبر ہی تھے جو نہایت جانبازی کے ساتھ تیغ بکف ہو کر اپنے ہادی، اپنے رسول کی محافظت میں مصروف ہو گئے مشرکین ہر طرف سے نزعہ کر کے آتے تھے اور رفیق غار اپنی خدا داد شجاعت سے اشقیاء کو بھگا دیتے تھے۔ (فتح الباری)

غزوہ احد

بدر کی شکست نے قریش کے دامن شجاعت پر ایک نہایت ہی بدنما دھبہ لگا دیا تھا۔ کفار نے جوش انتقام میں عظیم تیاریاں کیں اور احدی انتقامی جنگ کا نتیجہ تھا۔ اس جنگ میں مجاہدین اسلام قلت تعداد کے باوجود پہلے غالب آئے۔ لیکن آخر میں پانسہ پلٹا۔ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ نبی علیہ السلام سخت مجروح ہوئے۔ مگر حضرت ابو بکر

رضی اللہ عنہ آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ جب نبی علیہ السلام کو پہاڑ پر لے جایا گیا تو اس وقت آپ حضور رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اختتام جنگ پر جب کفار مکہ واپس ہوئے تو ان کے تعاقب کے لیے جو جماعت روانہ کی گئی ان میں ابو بکر بھی شامل تھے۔ اسی طرح احد کے بعد بنو نضیر کی جلا وطنی غزوہ خندق اور دوسرے جھوٹے معرکے پیش آئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تمام جنگوں میں بھی برابر کے شریک رہے۔

واقعہ حدیبیہ

اسی طرح ۶ ہجری میں غزوہ بنی مصطلق پیش آیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس معرکہ میں حضور رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے۔ یہ ہم کامیابی کے ساتھ واپس ہوئی تھی۔ اسی سال یعنی ۶ ہجری میں نبی علیہ السلام نے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ زیارت کعبہ کا عزم فرمایا جب مکہ کے قریب پہنچے تو خبر ملی کہ قریش مزاحم ہوں گے۔ حضور رضی اللہ عنہ نے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ رضی اللہ عنہ آپ قتل و خونریزی کے ارادہ سے نہیں بلکہ زیارت کعبہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں۔ اس لیے تشریف لے چلئے اور جو کوئی اس راہ میں حائل ہوگا ہم اس سے لڑیں گے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ بارگاہ نبوی میں مقبول ہوا۔ لشکر روانہ ہوا۔ مقام حدیبیہ میں ٹھہرا اور طرفین سے مصالحت کی گفتگو شروع ہوئی۔ اسی اثناء میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف سے سفیر ہو کر گئے تھے۔ ان کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی یہ سن کر حضور نے تمام جانثاروں سے جہاد پر بیعت لی اور یہی وہ بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ قریش مکہ ان تیاریوں سے خوف زدہ ہوئے مصالحت کے خیال سے عروہ بن مسعود کو سفیر بنا کر بھیجا۔ عروہ نے دوران گفتگو حضور علیہ السلام سے کہا:

”قسم بخدا آپ کے ساتھ میں ایسے چہرے دیکھتا ہوں کہ وقت پڑے گا تو وہ آپ کو چھوڑ دیں گے۔“ عروہ کے یہ جملے جان نثاران رسول کے دلوں پر تیر و نشتر بن کر

لگے۔ حتیٰ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے حلیم الطبع بھی برہم ہو کر فرمانے لگے: ”کیا ہم رسول خدا ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟“

حدیبیہ کی صلح

یہ صلح اگرچہ ان شرائط پر ہوئی تھی جو بظاہر کفار کے حق میں زیادہ مفید تھیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نہایت اضطراب ہوا اور ابو بکر سے کہا۔ اس قدر دب کر کیوں صلح کی گئی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو محرم اسرار نبوت تھے۔ آپ نے فرمایا عمر! حضور ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ اس لیے حضور ﷺ کی منظور کردہ شرائط میں انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد ۷ ہجری میں خیبر پر فوج کشی ہوئی۔ اگرچہ خیبر پر حملہ کرنے والی مسلمان فوج کے سپہ سالار پہلے صدیق اکبر ہی تھے۔ مگر یہ کارنامہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔ اس لیے فاتح خیبر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی رہے اور حضرت ابو بکر اسی سال بنی کلاب کی سرکوبی کے لئے مقرر کیے گئے۔ جب وہاں سے کامیاب ہو کر واپس آئے تو بنی غزارہ کے مقابلہ کے لیے آپ کو بھیجا گیا اور بہت سے قیدی و مال آپ ہمراہ لائے۔ (مسلم شریف)

فتح مکہ

قریش کی عہد شکنی کی وجہ سے ۸ ہجری میں حضور ﷺ نے دس ہزار کی جماعت کے ہمراہ مکہ پر حملہ کیا اور فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہمراہ تھے۔ مکہ سے واپسی پر بنی ہوازن سے جنگ ہوئی جو عموماً جنگ حنین کے نام سے موسوم ہے۔

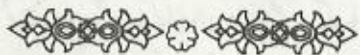
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس معرکہ میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں شامل

تھے۔ یہاں سے بڑھ کر طائف کا محاصرہ ہوا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اسی محاصرہ میں عبداللہ بن نجیح ثقفی کے تیر سے زخمی ہوئے اور آخر یہی زخم سیدنا ابو بکر کے اوائل خلافت میں ان کی شہادت کا باعث ہوا۔

۹ ہجری میں مشہور ہوا کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے کیونکہ مسلسل جنگوں کی وجہ سے عسرت و تنگ دستی ہو گئی تھی۔ حضور ﷺ نے جنگی تیاریوں کے لئے چندہ کی اپیل فرمائی۔ سب نے حصہ لیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت کچھ دیا مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ تھا سب بحضور نبوی پیش کر دیا۔ اسی چندہ سے زبردست فوج تیار ہوئی اور قیصر روم کے مقابلہ کے لئے حدود شام کی طرف بڑھی لیکن تبوک کے مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر کے حملہ کی خبر غلط ہے اور سب واپس ہوئے۔ (بخاری شریف)

امارت حج

اسی سال ۹ ہجری میں حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امارت کے منصب پر مامور فرمایا اور حکم دیا کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں ابو بکر یہ اعلان کر دیں کہ اس سال سے کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے اور سورہ نور اسی زمانہ میں نازل ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حج کے موقع پر اسی کو سنانے کے لیے مامور کیا گیا تھا۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ امارت حج کی خدمت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفویض کی گئی مگر یہ بات درست نہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا ہے کہ امارت حج کے تنہا مالک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسری خدمت سورہ برأت کے سنانے کے لیے مقرر ہوئے تھے۔



بنا کر مکہ روزانہ فرمایا۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے۔ ابوسفیان حاکم مکہ سے گفتگو کی، آپ نے بہت سمجھایا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں۔ ہمارے ساتھ ہتھیار نہیں ہیں۔ ارادہ صرف بیت اللہ کے طواف کا ہے۔ ابوسفیان ضد پر آگیا۔ کہنے لگا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ طواف کریں۔ لیکن تم آگے ہو اور تم ہمارے مہمان ہو۔ تم طواف کر سکتے ہو۔

لیکن اس موقع پر جناب ذوالنورین نے عشق نبی اور محبت رسول کا جو مظاہرہ کیا تاریخ عشق اور داستانِ محبت میں اس کی مثال شاید ہی کہیں ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابوسفیان یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرا رسول نہ ہو اور میں اکیلا طواف کر لوں۔

نہ ہو جب تُو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی
ہوا کو ابر کو گل کو چمن کو صحن بستان کو

اللہ اکبر! سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جان جیسی عزیز چیز غار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نماز جیسی عظیم الشان عبادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر نثار کر دی اور عثمان رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کا طواف جو عبادت الہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر اس کی ادائیگی قبول نہیں کی۔ ادھر مکہ میں یہ واقعہ رونما ہوا۔ ادھر مقام حدیبیہ میں صحابہ آپس میں کہنے لگے۔ ہم تو یہاں رہ گئے۔ عثمان مکہ پہنچے گئے۔ وہ تو مزے سے طواف کر رہے ہوں گے۔ قدوسیوں کی اس جماعت کے آقا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا، تو فرمایا:

”مجھے امید نہیں کہ عثمان میرے بغیر طواف کر لیں۔“

آیہ سبحان فی بیعت رضوان

ایک مقدس کتاب

چھ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا۔ خواب تو سبھی دیکھتے ہیں مگر نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب بیان کیا کہ:

”جیسے میں مع اپنے اصحاب کے مکہ شریف تشریف لے گیا ہوں، اور ہم سب نے مل کر کعبۃ اللہ کا طواف کیا ہے۔“

یہ خواب صحابہ کرام نے سنا تو بہت خوش ہوئے۔ پھر اسی سال ذیقعد کے مہینہ میں حضور بہ ارادہ عمرہ مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ چودہ سو یا پندرہ سو یا اٹھارہ سو صحابہ کرام بھی آپ کے ہم سفر تھے۔

قدوسیوں کی یہ جماعت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں مقام حدیبیہ تک پہنچی تھی کہ کفار مکہ مزاحم ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ روانہ کیا تاکہ آپ مکہ پہنچ کر کفار کو یہ سمجھائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کے ارادے سے نہیں آئے۔ مقصود صرف کعبۃ اللہ کا طواف ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے نازک موقع پر فوج کا جرنیل اور قوم کا قائد ایسے ہی اشخاص کو سفارت کے لیے چنا کرتا ہے۔ جن کے ایمان و اخلاص کے بارے میں پورا پورا یقین ہو۔ چنانچہ یہ شرف سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا سفیر

خدا کی قسم حضور سید عالم ﷺ کے یہ وہ مقدس جملے ہیں۔ جن کا لطف اسی کو آسکتا ہے۔ جس کے دل میں نبی اکرم ﷺ کے عشق و محبت کی شمع روشن ہو۔ وہی ان مقدس جملوں کی عظمت کو سمجھ سکتے۔

جس کے لیے یہ مقدس جملے زبان نبوت نے ادا فرمائے ہیں۔

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ-

”نبی کی زبان منشاء الہی کی ترجمان ہے۔“

پنجہ مہر عرب

اس موقع پر ایک معجزہ کا ظہور ہوا۔ حدیبیہ کے کنوئیں کا پانی ختم ہو کر خشک ہو گیا۔ پانی کی تکلیف ہوئی۔ چودہ سو صحابہ کس سے فریاد کریں؟ اسی سے جس پر اخلاص کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ عرض کر دی۔

سرکار! کنواں خشک ہے۔ پانی ختم ہے فرمایا میری چھاگل لاؤ۔ دستِ اقدس چھاگل میں ڈالا:

فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُورُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ۔ (مسلم)

”تو انگشت ہائے نبوت سے چشموں کی طرح پانی ابلنے لگا۔“

سب نے پیا چودہ سو صحابی سیراب ہوئے مگر پانی میں کمی نہ آئی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس وقت ہم چودہ سو صحابی تھے اگر لاکھ بھی ہوتے تو سب کو کفایت کرتا۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے یہ پانی حضور ﷺ کے جسم مقدس کا جزو ہے۔ آپ کی انگلیوں سے نمودار ہوا ہے۔ اس لیے ماءِ زمزم سے بھی افضل ہے غور تو کرو جن مقدس ہستیوں نے یہ پانی پیا ان کے دلوں میں ذرا بھی کجی باقی رہ سکتی ہے؟

سبحان اللہ

انگلیاں پائیں وہ پیاری پیاری جن سے دریائے کرم ہیں جاری موج پر آتی ہے جب غمخواری تشنہ سیراب ہوا کرتے ہیں

ایک اہم واقعہ

اس موقع پر یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ کفار مکہ کی طرف سے عروہ بن مسعود اصحاب رسول کا حال معلوم کرنے کے لیے آئے، انہوں نے یہاں آکر جو حالت دیکھی تو حیران رہ گئے۔ ایک صحابی حضور کو وضو کر رہے تھے اور باقی صحابہ کا یہ حال تھا کہ حضور ﷺ کے وضو کے پانی کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ کوئی اس کو سر پر لگاتا تھا۔ کوئی اس پانی کو بطور تبرک پیتا تھا۔ عروہ بت بنے دیکھتے رہے۔ واپس لوٹے کہنے لگے۔ اے اہل مکہ ان سے لڑنے کا خیال چھوڑ دو۔

کفار مکہ نے کہا عروہ پاگل ہوئے ہو۔ یا تم پر بھی اس کا جادو چل گیا ہے کیوں ہمیں بزدل بناتے ہو۔ عروہ نے کہا اے مکہ والو! میں نے بادشاہوں کے دربار اور ان کے درباری دیکھے ہیں لیکن محمد رسول اللہ کے درباریوں کا عجب حال ہے ان کے عشق و محبت، اطاعت، خلوص اور ارادت کا یہ عالم ہے کہ جب ان کا نبی وضو کرتا ہے تو وہ اپنے نبی کے غسلہ کو زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ ایک کافر نے بڑھ کر کہا پھر اس سے کیا ہوا۔ عروہ نے جواب دیا:

”اے مکہ والو! غور کرو جو لوگ اپنے رسول کا غسلہ زمین پر نہیں گرنے دیتے، وہ اس کے خون کو کیسے گرنے دیں گے۔ (حیات القلوب)

صحابہ کے اسی خلوص کو دیکھ کر حضرت عروہ بن مسعود بعد میں اسلام لے آئے تھے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے پھیلنے کا ایک بہت بڑا سبب صحابہ کرام کا حضور ﷺ کے ساتھ اخلاص و محبت بھی ہے۔ یہ اسی اخلاص کا اثر تھا کہ جن ملکوں کو صحابہ کرام نے فتح کیا۔ اس کی نوے فیصد بلکہ سو فیصد آبادی مسلمان ہو گئی اور جن ملکوں کو غیر صحابہ نے

فتح کیا۔ ان کی اکثریت آج بھی غیر مسلم ہے کیونکہ ان میں صحابہ کے برابر تقویٰ نہ تھا۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی گرفتاری

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اکیلے طواف کرنے سے انکار کر دیا، تو کفار مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ ادھر یہ افواہ پھیلی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے جب یہ سنا تو تمام صحابہ کرام کو جمع کیا اور ان سے آپ ﷺ نے موت پر بیعت لی۔ یہ عظیم الشان بیعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی وجہ سے ہوئی اور سب سے زیادہ فضیلت بھی اس بیعت میں انہی کی ظاہر ہوئی بیعت ہو رہی تھی۔ کیکر کے درخت کے نیچے حضور ﷺ بیعت لے رہے تھے ایک ایک صحابی آتا تھا اور بیعت کر کے واپس ہوتا تھا۔ ان بیعت کرنے والوں میں صدیق بھی تھے فاروق بھی اور علی مرتضیٰ بھی رضی اللہ عنہ۔

رسول کا ہاتھ عثمان کا ہاتھ

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ کے متعلق فرمایا، یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے۔ اللہ اکبر، اس موقع پر حضور ﷺ کا ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی قائم مقامی کر رہا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ حضور ﷺ کے قائم مقام عثمان اور عثمان کے قائم مقام حضور ﷺ حق یہ ہے کہ قائم مقام کیا، حضور ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے: ”یہ میرا ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے“۔ سبحان اللہ! جب حضور ﷺ نے یہ فرمایا، یہ عثمان کا ہاتھ ہے، تو پھر اسی ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے۔

اس بیعت کی بارگاہِ الہی میں مقبولیت

پھر اس بات پر غور کیجئے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت کے لیے حضور

ﷺ نے جو بیعت لی۔ تو وہ بارگاہِ رب العزت جل مجدہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ منادی حق نے اعلان کیا:

إِنَّ الدِّينَ يَكُونُ لَكُمْ إِنَّمَا يَكُونُ اللَّهُ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ۔

”اے رسول جو تمہاری بیعت کر رہے ہیں وہ تو اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔“

غور کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ بیعت تو ہمارے ہاتھ پر ہو رہی ہے۔ حضور ﷺ کا ہاتھ عثمان غنی کا ہاتھ اور حضور ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ عثمان غنی کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ اور قرآن ”اللہ کا کلام“ کو ”اللہ کے ہاتھ“ یعنی عثمان غنی نے شائع کیا۔ اسی لیے آپ کو جامع القرآن کہا گیا

دستِ حبیب خدا جو کہ ید اللہ تھا

ہاتھ بنا آپ کا آپ وہ ذی شان ہیں

قارئین کرام بیعت رضوان کا جو واقعہ ہم نے بیان کیا ہے۔ یہ کتب شیعہ میں بھی اس طرح مرقوم ہے۔

ملاحظہ کیجئے۔ ملا مجلسی لکھتے ہیں:

- (۱) حضرت رسول عثمان را بر سالت بنزد ایشان فرستاد۔ (حیات القلوب جلد سوم)
- ترجمہ ”آنحضرت ﷺ نے اپنا سفیر بنا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ فرمایا۔“
- (۲) ”وہ روایت شیخ طبری چون مشرکان را جس کردند خبر حضرت رسید کہ اورا کشید۔ حضرت فرمود کہ ازیں جا حرکت نمی کنم تا با ایشان قتال کنم و مردم را بہ سوئے بیعت دعوت نہ تمام۔“ (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۴۲۳)

”شیخ طبری کی روایت ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ چلے گئے، تو خبر آئی کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”میں اس وقت تک یہاں سے حرکت نہیں کروں گا جب تک کفار سے جنگ نہ کر لوں اور لوگوں کو بیعت کی دعوت نہ دوں۔“

اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک درخت سے تکیہ لگا کر صحابہ سے بیعت لی۔ اسی کا نام بیعت رضوان ہے۔ یہ بیعت دراصل اس امر کا معاہدہ تھا کہ وہ اس جنگ میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہو کر مشرکین سے لڑیں گے۔

حضور ﷺ تمام صحابہ کو بیعت کر چکے تو!

(۳) وہ روایت کلینی حضرت یک دست خود را بردست دیگر زد و برائے عثمان بیعت گرفت۔ (جلاس المؤمنین جلد دوم صفحہ ۴۲۲)

”روایت کلینی میں ہے کہ اس بیعت میں حضور ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور عثمان کی طرف سے بیعت لی۔“

حضرات شیعہ کی معتبر و مستند مذہبی کتاب فروع کافی جلد سوم کتاب الروضہ صفحہ ۵۰ واقعہ حدیبیہ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

(۴) وَحُبَسَ عُمَانُ فِي عَسْكَرِ الْمُشْرِكِينَ وَبَايَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمِينَ وَضَرَبَ بِأَحْدَى يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى لِعُمَانَ وَقَالَ الْمُسْلِمُونَ طُوبَى لِعُمَانَ قَدْ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاهْلًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ لِفَعْلٍ۔

(فروع کافی ص ۲۵۰، حیات القلوب)

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ کے لشکر میں قید کر لئے گئے، تو حضور ﷺ نے تمام مسلمانوں سے بیعت جہاد لی اور اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا، مسلمانوں نے جب یہ کہا کہ عثمان کو مبارک ہو، وہ طواف سعی میں مشغول ہوں گے (تو یہ سن کر) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، عثمان ایسے نہیں کہ میرے بغیر طواف کریں۔“

(۵) مصنف حملہ حیدری واقعہ حدیبیہ کو یوں منظوم کرتے ہیں۔

طلب کرد پس اشرف انبیاء ز اصحاب عثمان صاحب حیا
ہو سید عثمان زمین و زماں بمقصد رواں شد چوں تیر از کماں
چو دورفت اصحاب روزے دگر بگفتند چندے بنجر البشر
خوشاں حال عثمان باحترام کہ شد قسمتش حج بیت الحرام
رسول خدا چو شنید ایں سخن پیاخ چنین گفت با انجمن
بعثمان نداریم ما ایں گماں! کہ تنہا کند طوف آں آستان
اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے اور ابوسفیان نے کہا۔

”عثمان تم طواف کر سکتے ہو مگر تمہارے رسول کو طواف کی اجازت نہیں ہے، تو

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

کہ طوف حرم بے رسول خدا
نہاشد بر پیر دانش روا

آیہ رضوان

یہ تو بیعت رضوان کا واقعہ ہے جو شیعہ و سنی دونوں کی معتبر مذہبی کتب میں موجود ہے۔ اب آیہ مبارک پر غور کیجئے۔ یہ بیعت جو چودہ سو صحابہ کرام نے حضور ﷺ کے دست مبارک پر کی۔ یہ دراصل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت کے لیے ہوئی تھی اور اس درجہ مقبول ہوئی کہ اس بیعت میں شریک ہونے والوں سے اللہ نے قرآن مجید میں اپنی رضا مندی کا اعلان فرمایا:

اسی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی للہیت خلوص اور کامل الایمان ہونا ثابت ہو گیا کہ جس کی حمایت کے لیے بیعت کرنے والوں کے لیے یہ مژدہ ہے۔ تو خود اس کا کتنا

بڑا درجہ ہوگا اور اللہ عز و جل کے حضور ﷺ اس کا کتنا بلند مقام ہوگا۔

تفسیر آیت

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (سورہ فتح پارہ ۲۶)

”تحقیق اللہ راضی ہو گیا۔ مومنوں سے جب کہ اے نبی وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ نے جو ان کے دلوں میں تھا۔ معلوم کر لیا۔ پھر اللہ نے ان پر سکینہ اتارا، اور اس کے بدلہ میں دی ان کو فتح قریب اور بہت سی نعمتیں جن کو یہ لوگ لیں گے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔“

دیکھئے آیہ مبارکہ کا ایک ایک لفظ شرکاء بیعت رضوان کی حقانیت، دیانت اور مخلص مسلمان ہونے پر دلیل ظاہر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔
”اللہ راضی ہو گیا، ان مومنین سے جب کہ اے نبی وہ تیرے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے، درخت کے نیچے۔“

(۱) شرکاء بیعت رضوان کے مومن مخلص ہونے کی اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود اللہ رب العزت جل مجدہ ان کو مومن فرما رہا ہے۔ اب جو اس بیعت میں شریک ہونے والوں کو مومن نہ مانے اس کا تمکذب قرآن ہونا بالکل ظاہر ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنا راضی ہونا بیان فرمایا اور وہ بھی حرف تاکید کے ساتھ ظاہر ہے جن سے اللہ نے اپنی رضا مندی کا اعلان فرما دیا۔ ان کا انجام یقیناً ایمان میں ہوگا کیونکہ خدا عالم الغیب ہے۔

اگر آئندہ ان بیعت کرنے والوں سے کوئی فعل خلاف مرضی الہی صادر ہونے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی بیعت سے کبھی راضی نہ ہوتا۔ چہ جائیکہ رضا مندی کا اعلان فرماتا ہم اگر آج کسی سے اس کے کسی پر فعل پر راضی ہوتے ہیں۔ تو کل اس کی کسی خلاف مزاج حرکت کو دیکھ کر ناراض بھی ہو جاتے ہیں، اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ہمیں آئندہ کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص جو آج ہماری مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔ کل ہماری مخالفت پر اتر آئے گا تو ہم اس شخص کی کسی بات پر ہرگز خوش نہ ہوں۔ لہذا مخالفین کا یہ کہنا کہ خدا اس وقت تو ان کی بیعت سے راضی ہو گیا۔ مگر بعد میں انہوں نے بیعت توڑ دی یا خلاف مرضی الہی کام کیے اس لیے اللہ ان سے ناراض ہو گیا۔ خداوند قدوس کے عالم الغیب ہونے کا کھلا ہوا انکار ہے۔

فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ۔

”پھر اس نے ان کے دلوں کا حال جان لیا۔“

سبحان اللہ کتنے واضح لفظوں میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم صرف ان کے ظاہری فعل کو دیکھ کر راضی نہیں ہوئے ہیں بلکہ ہمیں ان کے دل کا حال معلوم ہے کہ وہ مخلص مسلمان اور سچے ایمان دار ہیں۔ اسی لیے ہم نے ان سے اپنی رضا مندی کا اعلان کیا ہے۔

فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ۔

”پھر اس نے ان پر سکینہ نازل کیا۔“

یعنی جب اللہ نے ان کے دلوں کی حالت کو دیکھ لیا کہ یہ مخلص مومن ہیں۔ صدق نیت سے بیعت ہوئے ہیں۔ تو پھر ان پر اپنا سکینہ نازل کیا، ظاہر ہے کہ جن پر اللہ اپنا سکینہ نازل فرمادے۔ پھر ان کے ایمان میں جنبش نہیں ہو سکتی اور نہ ان کی استقامت میں فرق آ سکتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا سکینہ مومنوں پر ہی اتارتا ہے۔ منافقوں پر نہیں۔

معاوضہ ہے، جو لوگ اس بیعت میں شریک نہیں۔ اس انعام میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب خبر کا کثیر مال غنیمت آیا، تو حضور ﷺ نے بحکم خدا اہل بیت رضوان کے لیے اس مال غنیمت کو مخصوص فرمادیا۔ کسی اور کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ غور فرمائیے کہ اگر یہ بیعت کرنے والے مخلص نہ ہوتے، تو اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی کیوں شہادت دیتا۔ ان سے اپنی رضا مندی کا کیوں اظہار فرماتا، اور ان کو فتح و غلبہ کیوں عنایت فرماتا، یہ سب باتیں بھی اصحاب بیعت رضوان کے مومن مخلص ہونے کی دلیل کرتی ہیں۔

وَاٰخِرُى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرًا

”اور کچھ اور غنیمتوں کا بھی اللہ نے وعدہ کیا ہے، جن پر تم نے کبھی قابو نہیں پایا۔ اللہ نے ان کو گھیر لیا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

ابتدائی آیتوں میں فتح و خیر و مکہ اور ان کی غنیمتوں کو بیعت کرنے والوں کی نشانی بتایا گیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ شرکاء بیعت رضوان کی مقبولیت اور ان سے اللہ کے راضی ہونے اور ان کے مخلص مومن ہونے کی نشانی یہ ہے کہ ان کو فتح مکہ خیر اور ان کی غنیمتیں حاصل ہوں گی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا، اب اس آیت میں ان بیعت کرنے والوں کے مقبول و محبوب عند اللہ ہونے کی تیسری نشانی یہ بتائی جا رہی ہے۔ خیر کی غنیمت کے علاوہ ایک اور بہت بڑی غنیمت جو عرب کے احاطہ قدرت سے باہر ہے انہیں حاصل ہوگی، ایسی بڑی غنیمت فارس و روم کی فتوحات ہی بن سکتی ہیں۔ کیونکہ خیر کے بعد کوئی ایسی غنیمت نہیں ملی، جس کو غنائم خیر کے مقابلہ میں اتنی اہمیت دی جائے اور فرمایا جائے وہ غنیمت ایسی ہے جو تمہارے احاطہ قدرت سے بھی باہر ہے۔

پس اس سے لامحالہ فارس و روم کی فتوحات ہی مراد ہیں۔ جو حضور ﷺ کے

پس آئیمہ کریمہ کا یہ حصہ بھی شرکاء بیعت رضوان کی حقانیت، دیانت اور صداقت پر دلیل کرتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ شرکاء بیعت رضوان اپنی زندگی کے آخری لمحات تک ضرور بالضرور اس عہد پر قائم رہیں گے جو عہد انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے کیا ہے۔ لہذا اللہ کے سکینہ نازل کرنے کے بعد یہ کہنا کہ شرکاء بیعت اپنے عہد پر قائم نہیں رہے۔ قرآن مجید کی تصریحات کو جھٹلانا ہے۔

وَاٰتٰیہُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَہَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا وَ عَدَّكُمْ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَّاْخُذُوْنَہَا فَعَجَلَ لَكُمْ ہٰذِہٖ وَ كَفَّ اَيْدِی النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰیۃٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيْكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔

”اللہ نے ان بیعت کرنے والوں پر اپنا سکینہ اتارا اور بیعت کے بارے میں ان کو فتح قریب اور بہت سی غنیمتیں دیں جن کو وہ لوگ لیں گے اور اللہ غالب حکمت والا ہے اور اللہ نے تم لوگوں سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا جن کو تم لوگ تو اس نے جلدی دی تم کو یہ غنیمت اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، تاکہ یہ ایمان والوں کے لیے نشانی ہو جائے اور اللہ نے تم کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی۔“

فتح قریب و مغانم کثیرہ سے فتح مکہ اور خیر کا مال غنیمت مراد ہونا چاہیے۔ کیونکہ فتح کے ساتھ قریب کا لفظ اور مغانم کثیرہ کے ساتھ عجل کا لفظ اسی کو بتا رہا ہے کہ یہ دونوں چیزیں جلد اور بہت جلد حضور ﷺ کے زمانہ میں ہوں گے۔ چنانچہ ذی الحجہ ۶ ہجری میں حضور ﷺ حدیبیہ سے واپس آئے اور اس کے بعد محرم ۷ ہجری میں خیر فتح ہو گیا اور مال غنیمت بکثرت حاصل ہوا۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان بیعت کرنے والوں کی نشانی یہ ہے کہ ان کو دنیا میں فتح قریب اور مغانم کثیرہ حاصل ہوں گے۔ چنانچہ ان دونوں چیزوں کو اٰتٰیہم کے تحت بیان فرما کر اس امر کو ظاہر فرمادیا کہ یہ انعام اس بیعت کا

وصال کے بعد حاصل ہوئیں۔ چنانچہ یہ تیسری چیز حضرات خلفاء ثلاثہ کے زمانہ خلافت میں حاصل ہوئی۔ اور اللہ کا وعدہ انہیں تینوں کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ جو حضرات ثلاثہ اور ان کی خلافت کے برحق ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

غرضیکہ یہ ہے آیت رضوان اور یہ ہیں وہ تصریحات جو بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں کی شان میں قرآن مجید نے بیان کی ہیں۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور بیعت رضوان

بیعت رضوان سے متعلق معتبر مذہبی کتب سے چند حقائق یہ ہیں جن سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مرتبہ و مقام اور آپ کا کامل الایمان مخلص مسلمان اور جان نثار حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہونا واضح ثابت ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت

وہ روایت شیخ طبری چون مشرکان عثمان را جس کردند خبر حضرت رسید کہ اور اکشمند حضرت فرمود کہ ازیں جا حرکت نمی کنم تا با ایشان قتال کنم و مردم را بہ سوئے بیعت دعوت نمائم۔ (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۴۲۲)

”شیخ طبری کی روایت ہے کہ جب مشرکین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا خبر آئی کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس وقت تک یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ جب تک کفار سے جنگ نہ کر لوں اور لوگوں کو بیعت کی دعوت نہ دوں۔“

رسول کا ہاتھ عثمان کا ہاتھ

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت سے تکیہ لگا کر صحابہ سے بیعت لی، اسی کا نام بیعت رضوان ہے۔ یہ بیعت دراصل اس امر کا معاہدہ تھا کہ اس جنگ میں حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہو کر مشرکین سے لڑیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ کو بیعت کر چکے، تو

وہ روایت کلینی حضرت یک دست خود را بردست دیگر زد برائے عثمان بیعت گرفت۔

”روایت کلینی میں ہے کہ اس بیعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور عثمان کی طرف سے بیعت لی۔“

عثمان میرے بغیر طواف نہیں کریں گے

شیعہ کی معتبر و مستند مذہبی کتاب فروع کافی جلد سوم کتاب الروضہ صفحہ ۱۵۰ واقعہ حدیبیہ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

وَحُبَسَ عُثْمَانُ فِي عَسْكَرِ الْمُشْرِكِينَ فَبَايَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمِينَ وَضَرَبَ بِأَحْدَى يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى لِعُثْمَانَ

وَقَالَ الْمُسْلِمُونَ طُوبَى لِعُثْمَانَ قَدْ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَ أَهْلَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ لِيَفْعَلَ۔ (فروع کافی صفحہ ۱۵۰)

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مشرکین کے لشکر میں قید کر لیے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں سے بیعت جہاد لی اور ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر عثمان کے لیے مارا۔ مسلمانوں نے جب یہ کہا کہ عثمان کو مبارک ہو۔ وہ طواف سعی میں مشغول ہوں گے (تو یہ سن کر) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان ایسے نہیں کہ میرے بغیر طواف کر لیں۔“

(ایضاً حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۴۲۵)

چنانچہ اسی واقعہ کو مصنف ”حملہ حیدری“ نے یوں منظوم کیا ہے۔

بو سید عثمان زمین و زمان
بمقصد رواں شد چوں تیر از کماں
چو اورفت اصحاب روزے دگر
بکفشد چندے بنیر البشر
خوشاں حال عثمان با احترام
کہ شد قشمش حج بیت الحرام
رسول خدا چو شنید ایں سخن
پناخ چنین گفت با انجمن
بعثمان نداریم ما ایں گماں
کہ تنها کند طواف آستان

غور کیجئے کہ حضور اکرم ﷺ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اس قدر اعتماد ہے کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کی اجازت کے بغیر ان کو بیعت فرما رہے ہیں جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضور ﷺ کے نزدیک حضرت عثمان مومن کامل اور مخلص جان نثار تھے اور پھر حضور ﷺ کا ان کو سفارت کا منصب عطا فرمانا ہی ان کے مخلص ہونے کی دلیل قاہر ہے۔ ملا مجلسی لکھتے ہیں:

حضرت رسول عثمان، را بر سالت بہ نزادیشاں فرستاد۔

”حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنا سفیر بنا کر حضرت عثمان کو مکہ روانہ فرمایا۔“

(حیات القلوب جلد سوم)

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان دیکھئے کہ حضور ﷺ اپنے ہاتھ کو ان کا ہاتھ فرما رہے ہیں۔ گویا یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ عثمان میرے ہیں۔ ہمارا معاہدہ بعینہ عثمان کا معاہدہ ہے۔ پھر یہ بھی غور کیجئے کہ صحابہ کہتے ہیں کہ عثمان مکہ پہنچ کر طواف کر رہے ہوں

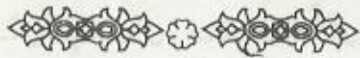
گے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں ایسا نہیں ہو سکتا کہ عثمان میرے بغیر طواف کر لیں۔

بات یہ تھی کہ گو اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے مگر حضور ﷺ کی مرضی یہ تھی کہ اس بیعت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شامل ہو جائیں جس کے متعلق خدا کا اعلان یہ ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ۔ (النخ)

”اللہ ان بیعت کرنے والے مومنوں سے راضی ہو گیا۔“

جن کے دلوں کا اخلاص بھی اللہ جانتا ہے، ان پر اللہ نے تسکین نازل کی۔ جب حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دے کر بیعت کر لیا تو یہ تینوں فضیلتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہو گئیں۔



سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ علم میں میرے برابر ہیں

نسخ البلاغہ مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۴۲۲ میں ہے کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا:

وَاللّٰهُ مَا أَدْرِى مَا أَقُولُ لَكَ مَا أَعْرِفُ شَيْئًا تَجْهَلُهُ وَلَا أَذِلُّكَ عَلَى أَمْرٍ لَا تَعْرِفُهُ مَا سَبَقْنَاكَ إِلَى شَيْءٍ فَأُخْبِرَكَ عَنْهُ وَلَا خَلَوْنَا بِشَيْءٍ فَنَبْلُغُكَ وَقَدْ رَأَيْتَ كَمَا رَأَيْنَا وَسَمِعْتَ كَمَا سَمِعْنَا وَصَحِبْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا صَحَبْنَا وَمَا ابْنُ أَبِي قَحْفَاةٍ وَلَا ابْنُ الْخَطَّابِ أَوْلَى بِعَمَلِ الْحَقِّ مِنْكَ وَأَنْتَ أَقْرَبُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَيْبَةَ رَحِمَ مِنْهُمَا وَلَنْتَ مِنْ صَهْرِهِ مَا لَمْ يَنْلَأْ

”قسم اللہ کی میں نہیں جانتا کہ آپ سے کیا کہوں۔ مجھے کوئی بات ایسی معلوم ہی نہیں جس سے آپ بھی واقف نہ ہوں، نہ کوئی ایسی بات آپ کو بتا سکتا ہوں جس سے آپ بے خبر ہوں۔ میں آپ سے کسی بات میں سبقت نہیں رکھتا کہ آپ کو خبر دوں نہ میں نے تنہائی میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی علم حاصل کیا ہے، جس کو آپ تک پہنچاؤں۔ یقیناً آپ نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح دیکھا ہے جس طرح ہم نے دیکھا ہے اور آپ نے بھی ان سے سنا ہے، جس طرح ہم نے سنا ہے اور آپ نے بھی ان کی صحبت پائی، جیسی ہم نے پائی اور ابو بکر و عمر حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ

مستحق نہ تھے۔ آپ بہ نسبت ان کے رسول اللہ ﷺ سے نسبی قرابت میں قریب ہیں اور آپ نے رسول کی دامادی کا شرف پایا جو ان دونوں کو نہیں ملا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس خطبہ مبارکہ سے امور ذیل واضح وثابت ہوتے ہیں:

- (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو علم میں برابر سمجھتے تھے۔
- (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نیکی میں اپنے کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سابق نہیں سمجھتے تھے۔
- (۳) رسول خدا ﷺ کے دیکھنے میں اور آپ کی صحبت کے حاصل کرنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا مثل قرار دیتے تھے۔ اور یہ مثلیت اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے کہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایمان کامل کے ساتھ رسول خدا ﷺ کو دیکھا اور صحبت اٹھائی۔ اسی طرح حضرت نے بھی ایمان کامل کے ساتھ دیکھا ہو۔ اور صحبت اٹھائی ہو۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ایک منافق و کافر کا رسول خدا ﷺ کو دیکھنا ایک مومن کامل الایمان کے دیکھنے کے مثل ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔
- (۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول کا داماد فرماتے ہیں۔ اور یہ تاریخی واقعہ ہے کہ رسول خدا ﷺ کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔
- (۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عمل بالحق کی اہلیت میں شیخین سے کم نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مہاجر اول ہیں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مہاجر اول ہیں۔ قیام مکہ ہی میں آپ کا عقد حضور اکرم ﷺ کی مقدس صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے ہو چکا تھا۔ اور حضور ﷺ کے حکم کے مطابق اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ سب سے پہلے آپ ہی نے سرزمین حبشہ کی جانب

ہجرت فرمائی تھی، چنانچہ اس امر کا اقرار ملا محمد باقر مجلسی الاصفہانی مجتہد نے اپنی کتاب حیات القلوب جلد دوم ذکر بیان ہجرت حبشہ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ میں کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رشتہ داری

سیدنا عثمان ذوالنورین، سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے۔ یعنی پھوپھی کے پوتے، سلسلہ پدری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عبدالمناف تک مل جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اس جگہ ختم نہیں ہوا، بلکہ آئندہ اولاد میں جاری رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب جن کا مزار حضرت بلال مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ہے کی دختر ام کلثوم کا نکاح حضرت ابان بن عثمان ذوالنورین بن عفان سے ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوتی فاطمہ بنت حسین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن عمر بن عثمان ذوالنورین کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری پوتی فاطمہ بنت حسین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمر بن عثمان ذوالنورین کے عقد نکاح میں تھیں۔

چنانچہ ان تمام رشتہ داریوں کی مکمل تفصیل ابو محمد عبداللہ بن مسلم قتیبہ الکاتب الدنیوری المتوفی ۲۶۷ ہجری نے اپنی کتاب ترجمہ المعارف جلد اول مطبوعہ آسی پریس لکھنؤ میں تحریر کی ہے۔



خصوصیات امام ذوالنورین رضی اللہ عنہ

پہلی خصوصیت دامادِ رسول ہونا

امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہنیں تھیں۔ آپ کے عقد میں آئیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ بالکل اکیلے ہیں اور کسی صحابی رسول کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔

ملا باقر مجلسی ”حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۵۹“ پر لکھتے ہیں:

فاطمہ رابعہ حضرت امیر المؤمنین تزویج نمود کردہ ابوالعاص بن ربیع از بنی امیہ بودند۔ و عثمان بن عفان ام کلثوم را و عیش از اں کہ نجانہ آل رود بر حمت الہی واصل شدہ و بعد از حضرت رقیہ را با تزویج نمود۔

”حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا اور زینب کا نکاح ابوالعاص سے کیا جو بنی امیہ سے تھے اور عثمان بن عفان کے ساتھ ام کلثوم کا نکاح کیا وہ ابھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر نہ گئیں تھیں کہ بقضائے الہی فوت ہو گئیں تو ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔“

قارئین کرام مخالفین صحابہ کی ان معتبر کتابوں سے امور ذیل میں معلوم ہوئے۔

(۱) حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ داماد رسول ہیں ان کے عقد میں دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم آئیں۔

(۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مہاجر اول بھی ہیں اور آپ نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

وہ اپنی کتاب ”مجالس المؤمنین کے صفحہ ۸۹ پر لکھتے ہیں:

شہید ثالث کا اعتراف

اگر او (بنی) بوقت عجز بخار فرار نمود۔ اس (علی) بوقت منع و عجز در خانہ خود قرار کرد اگر بنی دختر عثمان داد ولی و ختر ہمر فرستاد۔

”اگر بنی نے عاجزی کے وقت بھاگ کر غار میں پناہ لی۔ تو علی نے عاجزی کے وقت گھر میں گھس کر پناہ لی اگر بنی نے اپنی دختر عثمان کو دی، تو علی نے اپنی دختر عمر کے ساتھ بیاہ دی۔“ (مجالس المؤمنین مطبوعہ ایران صفحہ ۸۹)

شیر خدا کا ارشاد

خود علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے بھی مدحیہ انداز میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس شرف کا اعتراف فرمایا ہے:

وَلَيْتَ مِنْ صِهْرِهِ مَا لَمْ يَنَالَا۔

”عثمان تم نے رسول کی دامادی کا وہ شرف حاصل کیا ہے جو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی حاصل نہ ہوا۔“ (نہج البلاغت جلد اول صفحہ ۳ مصری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت امیر المؤمنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شان ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

”اے عثمان، میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا، جس سے آپ ناواقف ہوں، نہ میں کسی ایسے امر کی طرف آپ کی رہنمائی کر سکتا ہوں۔ جسے آپ نہ جانتے ہوں۔ جو آپ جانتے ہیں وہی ہم جانتے ہیں۔ کسی بات میں آپ پر سبقت نہیں رکھتے کہ جس سے آپ کو باخبر کریں۔ اور نہ کسی بات میں ہم آپ سے جدا ہوئے کہ آپ کو بتادیں۔ جس طرح ہم نے دیکھا اس طرح آپ نے دیکھا۔ جس طرح ہم نے سنا، اسی طرح آپ نے سنا۔ جس طرح ہم رسول اللہ ﷺ کے شرف و محبت سے شرف ہوئے اسی طرح آپ بھی ہوئے۔ ابو بکر و عمر بھی عمل حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ سزاوار نہیں تھے کیونکہ بہ اعتبار قربت آپ رسول اللہ سے ان دونوں کے مقابلے میں نزدیک تر ہیں۔“ (نہج البلاغہ صفحہ ۱۰۹۸)

بلاشبہ آپ نے رسول اکرم ﷺ کی دامادی کا شرف دو مرتبہ حاصل کیا الغرض یہ بات سب کی معتبر مذہبی کتاب سے ثابت ہے کہ حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے عقد میں حضور اکرم ﷺ کی صرف ایک صاحبزادی ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذی حیا کے عقد میں دو، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ امتیازی خصوصیت ہے۔ جس میں وہ منفرد ہیں اور اسی سے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے کامل الایمان ہونے اور ان کے مخلص جاں نثار بنی ہونے کی بہت بڑی دلیل ملتی ہے اگر سیدنا علی کے لیے داماد رسول ہونا شرف کی بات ہے تو سیدنا غنی کے لیے کیوں نہیں؟ یہ ہی وجہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس واضح شرف اور فضیلت کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ تو پھر جھنجھلا کر یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی طرف ایک حقیقی صاحبزادی جناب فاطمہ تھیں۔ لیکن بات پھر بھی نہیں بنتی دلائل و حقائق ان کا ساتھ نہیں دیتے۔

چنانچہ ملاحظہ فرمائیے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی رُقِيَّةَ

تختہ العوام ایک نہایت ہی معتبر، مستند اور مقبول عام کتاب ہے۔ اس میں جہاں لعنتوں کے لیے دعا کا ذکر ہے وہاں یہ جملے بھی موجود ہیں:

”کہ اے اللہ اس پر لعنت نازل فرما جو نبی کو ان کی صاحبزادی رقیہ کے معاملے میں یا ام کلثوم کے معاملے میں ایذا پہنچائے۔“

درود اور لعنت کے پورے جملے یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی رُقِيَّةَ بِنْتِ نَبِيِّكَ وَالْعَنَ مَنْ اَذٰى نَبِيَّكَ فِيْهَا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اُمِّ كَلثُوْمٍ بِنْتِ نَبِيِّكَ وَالْعَنَ مَنْ اَذٰى نَبِيَّكَ فِيْهَا۔

(تختہ العوام مطبوعہ مکتبہ صفحہ ۱۰۱۲)

”اے اللہ تو اپنے نبی کی صاحبزادی رقیہ پر درود بھیج اور جو شخص تیرے نبی کی اس صاحبزادی کی وجہ سے تکلیف دیتا ہے، اس پر لعنت نازل فرما اے اللہ تو اپنے نبی کی صاحبزادی ام کلثوم پر بھی درود اور رحمت نازل فرما۔ جو شخص تیرے نبی کی صاحبزادی کی وجہ سے تکلیف دیتا ہے اس پر لعنت نازل فرما۔“

اس درود سے اظہر من الشمس ہے کہ حضرت رقیہ و ام کلثوم و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرح حضور ﷺ کی صاحبزادیاں ہیں۔ اسی وجہ سے ان پر درود بھیجا جاتا ہے ان جملوں پر غور کیجئے۔

”جو تیرے نبی کو رقیہ یا ام کلثوم رضی اللہ عنہما کی وجہ سے ایذا پہنچاتا ہے اے اللہ اس پر لعنت نازل فرما۔“

ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اس سے بڑی تکلیف اور کیا پہنچائی جاسکتی ہے کہ آپ کی اولاد نبی کا انکار کر دیا جائے۔

حضور کی چار صاحبزادیاں تھیں

بہر حال قرآن کریم اور صحیح روایات اور مخالفین کی معتبر مذہبی کتب کی روایات سے یہ واضح ہے کہ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔

سورۃ احزاب میں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَلِ رَبِّهِنَّ۔ (ترجمہ مقبول احمد ص ۸۱۹)

”اے نبی! اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں سے اور اہل ایمان کی عورتوں سے یہ کہہ دو کہ وہ اپنی چادروں سے گھونگھٹ نکال لیا کریں۔“

اس ترجمہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی صاحبزادیاں ایک سے زائد تھیں، جیسا کہ لفظ بیٹیوں سے ظاہر ہے جو کہ بنات کا ترجمہ ہے اور بنات بنت کی جمع ہے۔ جمع کے لیے کم از کم تین افراد ضرور ہوا کرتے ہیں۔

(۲) دوسری دلیل:

تَزَوَّجَ خَدِيجَةُ وَهُوَ ابْنُ بَضْعَ وَعِشْرَيْنَ سَنَةً قَوْلَكَ لَهُ مِنْهَا قَبْلُ مَبْعُوهِ الْقَاسِمُ وَرُقِيَّةُ وَزَيْنَبُ وَأُمُّ كَلثُوْمٍ وَكَذَلِكَ بَعْدَ مَبْعُوهِ الطَّيِّبُ وَالطَّاهِرُ وَالْفَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَرَوَى اَيْضًا اَنَّهُ لَمْ يُؤْكَدْ لَهُ، بَعْدَ الْمَبْعُوثِ اِلَّا فَاطِمَةً وَاَنَّ الطَّيِّبَ وَالطَّاهِرَ وَلَدَ اَقْبَلَ مَبْعُوهِ۔

(اصول کافی ابواب التاريخ ص ۲۷۸ سطر ۳)

جناب رسول اللہ ﷺ نے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، جب کہ آپ کی عمر بیس سال سے کچھ زائد تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے قبل از بعثت قاسم اور رقیہ اور زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں اور بعثت کے بعد طیب اور طاہر اور فاطمہ کا تولد ہوا، اور یہ بھی روایت کیا گیا کہ حضور ﷺ کو بعد از بعثت صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں

اور طیب و طاہر بعثت سے پہلے پیدا ہو چکے تھے۔

(۱) اصول کافی وہ کتاب ہے جس کا ملاحظہ امام مہدی علیہ السلام فرما چکے ہیں اور آپ نے مہر تصدیق بھی ثبت کر دی ہے۔ جیسا کہ اصول کافی اول پر مرقوم ہے:

قَالَ إِمَامُ الْعَصْرِ وَحُجَّةُ اللَّهِ الْمُنْتَظَرُ هَذَا كَافٍ لِشِيعَتِنَا۔

امام موصوف نے فرمایا ہے یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔

غالباً اس کتاب کا نام کافی رکھنا اس بنا پر ہے کہ امام مہدی علیہ السلام نے اس کو کافی فرمایا سوچنے کا مقام ہے کہ اگر رقیہ و زینب و ام کلثوم بنات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتیں تو امام مہدی ادعوہم لآباءہم ہو اقسط عند اللہ کے حکم مد نظر رکھتے ہوئے ان تینوں کے اسماء کو اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج فرما دیتے۔ امام مہدی کا رقیہ اور زینب اور ام کلثوم کو اولاد رسول میں دیکھ کر سکوت فرمانا اور ہذا کافٍ لِشِيعَتِنَا کہنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضرت زینب و ام کلثوم و فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صاحبزادیاں تھیں۔

(۲) محمد بن یعقوب کلینی نے اس اختلاف کو روایتی طور پر نقل فرما دیا کہ کون سی اولاد حضرت کو قبل از بعثت پیدا ہوئی اور کون سی اولاد بعد از بعثت یعنی اس میں روایات کا اختلاف ہے لیکن علامہ مذکور کو اپنی روایات میں کہیں یہ اختلاف نہیں ملا کہ رقیہ و زینب و ام کلثوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں نہ تھیں۔ ورنہ اس اختلاف کو اختلاف اول کی طرح ضرور ذکر کر دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رقیہ و زینب و ام کلثوم کا بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا مسئلہ متفق علیہ ہے۔

(۳) صاحب کافی نے اس امر کا التزام کیا ہے اور اول کتاب میں بھی فرمایا ہے کہ میں اپنی کتاب میں وہ روایات ذکر کروں گا۔ جو موثق اور معتبر ہوں گی۔ چنانچہ صاحب تفسیر صافی نے بھی محمد بن یعقوب کلینی صاحب اصول کافی کے اس التزام کو نقل کیا۔

ذَكَرَ فِي أَوَّلِ الْكِتَابِ أَنَّهُ يُثْبِتُ بِمَا رَوَاهُ فِيهِ۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۴ سطر ۱۵)

کلینی نے اپنی کتاب کے اول میں ذکر کیا کہ جو کچھ اصول کافی میں مروی ہوگا موثق اور معتبر ہوگا۔

شارح کافی ملا خلیل قزوینی نے حدیث مذکور کی شرح میں تحریر فرمایا ہے:

پس زادہ شد برائے او از خدیجہ پیش از رسالت او قاسم و رقیہ و زینب و ام کلثوم و زادہ شد برائے او بعد از رسالت طیب و طاہر و فاطمہ۔

حضور کی اولاد حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے قبل از بعثت قاسم اور رقیہ اور زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں اور بعثت کے بعد طیب و طاہر و فاطمہ پیدا ہوئے۔

(صافی شرح اصول کافی کتاب الحجہ جز سوم، حصہ دوم باب مولد النبی و وفاتہ صفحہ ۱۴۷)

(۴) شارح کافی ملا محمد باقر اصفہانی حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”تمام کے تمام علماء اس امر پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار تھیں۔“

(مرآة العقول..... جلد دوم صفحہ ۲۵۲)

(۵) ”در حدیث معتبر از حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منقول است مفصل روایت نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خدیجہ اور رحمت کند از من طاہر و مطہر بہم رسانید کہ او عبد اللہ بود و قاسم را آوردہ و رقیہ و فاطمہ و زینب و ام کلثوم از بہر سید۔“

معتبر حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر رحمت فرمائے۔ اس کو مجھ سے اولاد پیدا ہوئی۔ طاہر و مطہر عبد اللہ اور قاسم اور رقیہ اور فاطمہ، اور زینب اور ام کلثوم۔“

(حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۸۲ باب پنجم)

(۶) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الْقَاسِمِ وَالطَّاهِرِ اِنِّیْ نَبِیْکَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى رُقِیَّةَ بِنْتِ نَبِیِّکَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى اُمِّ کُلثُوْمٍ بِنْتِ نَبِیِّکَ۔

(تہذیب ج اول ص ۱۵۴)

”اے اللہ رحمت فرما قاسم اور طاہر اپنے نبی کے دو بیٹوں پر اے اللہ رحمت فرما اپنے نبی کی بیٹی رقیہ پر، اے اللہ رحمت فرما اپنے نبی کی بیٹی ام کلثوم پر۔“

(۷) باب در بیان اولاد امجاد آنحضرت است۔ در قرب الاسناد بسند معتبر از حضرت صادق روایت کرده است کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب۔ (حیات القلوب جلد دوم باب پنجاہ یکم صفحہ ۵۵۹)

قرب الاسناد میں معتبر اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لطن مبارک سے ہوئی طاہر اور فاطمہ اور ام کلثوم اور رقیہ اور زینب تھیں۔“

(۸) ابن بابویہ بسند معتبر از آنحضرت (جعفر صادق) روایت کرده است کہ از برائے حضرت رسول متولد شدند از خدیجہ قاسم و طاہر نام طاہر عبد اللہ بود و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہ۔ (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۵۹)

ابن بابویہ معتبر طریق سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے قاسم اور طاہر جس کا نام عبد اللہ تھا۔ اور ام کلثوم اور رقیہ اور زینب اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔“

یہ دونوں روایتیں ایک صفحہ پر موجود ہیں۔

(۹) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الْقَاسِمِ وَالطَّاهِرِ اِنِّیْ نَبِیْکَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى رُقِیَّةَ بِنْتِ نَبِیِّکَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى اُمِّ کُلثُوْمٍ بِنْتِ نَبِیِّکَ۔

اے اللہ رحمت فرما اپنے نبی کے دو بیٹوں قاسم اور طاہر پر۔ اے اللہ رحمت فرما

اپنے نبی کی دختر رقیہ پر اے اللہ رحمت فرما اپنے نبی کی دختر ام کلثوم پر۔

(حضرات شیعہ کی مشہور کتاب تحفۃ العوام)

(۱۰) مشہور آنست کہ دختران آنحضرت چہار نفر بودند وہمہ از حضرت خدیجہ بوجود آمدند۔ (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۶۰)

”مشہور وہی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں چار تھیں اور سب کی سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئیں۔“

الغرض قرآن اور معتبر و مستند صحیح احادیث و روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی چار حقیقی صاحبزادیاں تھیں۔

آیت تطہیر

اِنَّمَا يُرِیْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا۔ (احزاب ۳۳)

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

علماء کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ اس آیت میں اہل البیت سے حضور سرور عالم ﷺ کی ازواج مطہرات مراد ہیں۔ کیونکہ اس آیت کے اول اور بعد ازواج مطہرات ہی کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے آیات یا ایہا النبی قل لا زواجک سے لے کر و قلن قولا معروفا تک اور اس کے بعد کی آیت و اذکرن ما یقلی فی ہوتکن من آیات اللہ و الحکمۃ ازواج مطہرات سے ہی متعلق ہیں۔

سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آیت تطہیر سے مراد حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں۔

(حضرت عبد اللہ بن عباس حمر امت اور مفسر قرآن ہیں حضور کے چچا زاد بھائی)

ہیں۔ حضور ﷺ نے آپ کو سینہ سے لگا کر دعا دی ہے۔ اَللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ، اَللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْحِكْمَةَ، اَللّٰهُمَّ فَفِّهْهُ لِي الدِّينِ، الہی ان کو قرآن سکھا۔ الہی انہیں حکمت اور دین کی سمجھ عطا فرما)

ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ طہر جمع مذکر کی ضمیر ہے جو مردوں کے لیے استعمال ہوتی ہے اس لیے ازواج مطہرات کا مراد لینا درست نہیں ہے لیکن جواب یہ ہے کہ اگر قرآن مجید ہی سے یہ ثابت ہو جائے کہ جمع مذکر کی ضمیر عورتوں کے لیے آئی درست ہے تو پھر گنجائش انکار کہاں۔

سورۃ قصص پارہ ۲۰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے قَالَ لَا هِلَالٍ اَمْكُثُوا حضرت موسیٰ نے اپنی بیوی سے فرمایا تم یہیں ٹھہر جاؤ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ اس آیت میں امکو صیغہ جمع مذکر ہے جو کہ حضرت موسیٰ کی بیوی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح سورۃ یوسف میں اِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخَاطِئِينَ میں خاطین جمع مذکر ہے جو زلیخا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورۃ ہود میں فرشتوں نے حضرت سارہ سے کہا رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم۔ علیکم میں ضمیر جمع متکلم ہے جس سے واضح ہوا قرآن مجید میں جمع مذکر کی ضمیر عورتوں کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے تو اسی طرح تطہیر میں جمع مذکر کی ضمیر حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے آئی ہے۔ فافہم

قرآن مجید میں بھی اہل البیت سے بیوی کا مراد ہونا واضح ہے۔ جب عزیز مصر کی بیوی نے جناب یوسف علیہ السلام کو برائی کی طرف بلایا۔ تو آپ دروازے کی طرف بھاگے اس نے آپ کا پیچھا کیا اور آپ کا کرتہ پیچھے سے پکڑ کر کھینچا کہ عزیز مصر دروازے کے پاس مل گیا زلیخا نے اپنی برأت ظاہر کرنے کے لیے حیلہ تراشا اور عزیز مصر سے کہا:

قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ بِاهْلِكَ سُوءًا۔ (سورۃ یوسف ۱۲)

کیا سزا ہے اس کی جس نے تیری گھر والی سے بدی چاہی۔

اس آیت میں اہل سے مراد بہر حال بیوی ہی ہے۔

جب فرشتے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت سنانے کیلئے آئے، تو ان کی بیوی نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ میری عمر نوے سے متجاوز ہو چکی ہے اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں ان کی عمر ایک سو بیس سال ہو گئی ہے۔

قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ وَرَحْمَةِ اللّٰهِ وَبَرَكَاتِهِ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ (ہود ۲۲)

فرشتے بولے کیا اللہ کے کام کا اچنبا کرتی ہو بیشک اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں تم پر اس گھر والوں پر۔

اس آیت سے بھی واضح ہوا کہ بیبیاں اہل بیت میں داخل ہیں۔ لہذا اہل بیت سے ازواج کو خارج قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

اسی نوع کے دیگر دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ آیت تطہیر کے لفظ اہل بیت سے اولاً بالذات تو حضور سید عالم ﷺ کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جن نفوس قدسیہ کا لفظ اہل بیت میں شامل نہ ہونے کا شبہ ہو سکتا تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں اہل بیت میں شامل فرما کر اس شبہ کا قلع قمع فرمادیا۔

چنانچہ مسلم شریف میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت نداء ابناءنا ونازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے جناب علی، سیدہ فاطمہ و حسن و حسین کو بلایا اور فرمایا:

فَقَالَ اَللّٰهُمَّ هَؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي۔

”الہی یہ میرے اہل بیت ہیں“۔ (مشکوٰۃ)

بہر حال حق یہ ہے اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور جناب علی

مرتضیٰ شیر خدا اور سیدہ عفیفہ طیبہ طاہرہ فاطمہ اور شہزادہ کونین امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم بھی۔ اور قرآن وحدیث سے بھی یہ ہی نتیجہ نکلتا ہے اور یہ ہی امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔

آیت تطہیر سے اہل بیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اہل بیت نبوت کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ وہ گناہوں سے بچیں اور تقویٰ و پرہیزگاری کے پابند رہیں۔

ازواج مطہرات..... امہات المؤمنین

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے امہات المؤمنین کو خطاب کر کے فرمایا:

يَسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ۔ (احزاب: ۴۰)

اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو (یعنی ان کا مرتبہ سب عورتوں سے بڑا ہے)۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ۔ (احزاب: ۴۰)

اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھروالوں تم سے ناپاکی دور فرمادے۔

قرآن نے ازواج مطہرات کے گھروں کو اللہ کی آیتوں اور حکمت کا سرچشمہ قرار دیا:

وَأَذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ لِهَيْبِ بَنِيكَ مِن آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ۔ (احزاب)

اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت۔

نیز تعظیم و حرمت میں حضور ﷺ کی ازواج کو تمام مومنوں کی مائیں قرار دیا۔

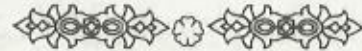
وَأَزْوَاجَهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔

اور نبی کی بیبیاں ان کی (تمام مسلمانوں کی) مائیں ہیں۔

اس لیے حضور ﷺ کی تمام ازواج مطہرات کی تعظیم و توقیر ان سے عقیدت و

محبت لازم و واجب ہے۔ ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ و ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا قطعی جنتی ہیں اور انہیں حضور ﷺ کی بقیہ صاحبزادیوں اور



ازواج مطہرات تمام صحابیات پر فضیلت ہے۔ ان کی طہارت و پاک دامنی کی گواہی قرآن نے دی ہے۔ جناب عائشہ صدیقہ پر معاذ اللہ تہمت زنا سے اپنی ناپاک زبان آلودہ کرنے والا قطعاً کافر و مرتد ہے اور آپ کی شان میں اس کے علاوہ بدگوئی کرنے والا گمراہ و جنمی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ و مقام

جب منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی، تو اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی سترہ آیات میں جناب عائشہ صدیقہ کی عفت و عصمت پاکدامنی اور منافقین کے الزام کی تردید فرمائی:

(۱) إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ

بے شک منافق بڑا بہتان لائے

(۲) وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ

اے مسلمانوں جب منافقین نے تہمت لگائی تو تم نے نیک گمان کیوں نہ کیا۔

(۳) فَأُولَئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَذِبُونَ

تو وہی (یعنی تہمت لگانے والے) اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

(۴) يَعْظُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُوذُوا - (نور)

اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے متعلق بدگمانی نہ کرنا)

قرآن کی ان آیات کے مطابق جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بدگمانی اور برائی کی تہمت کا قائل دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب فاطمہ سے فرمایا کیا تم اس کو محبوب نہیں رکھو گی جس کو میں محبوب رکھتا ہوں۔ جناب فاطمہ نے جواب دیا، کیوں نہیں! فرمایا تو عائشہ

سے محبت کرو۔ (مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا عائشہ کے معاملہ میں مجھے ایذا نہ دو۔ میں عائشہ کے ساتھ ایک بستر میں ہوتا ہوں تو بھی وحی آ جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ یہ جبریل ہیں تمہیں سلام عرض کرتے ہیں۔

(بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ جب تم مجھ سے خوش یا کبیدہ خاطر ہوتی ہو تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے، جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو یوں کہتی ہو، لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ اور اگر تمہارا مزاج خراب ہوتا ہے تو لَا وَرَبِّ ابرہیم کہتی ہو۔ جناب عائشہ نے جواب دیا ناسازی طبع کی صورت میں بھی صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں (آپ کی ذات سے وابستگی نہیں چھوٹ سکتی)۔ (بخاری)

جبریل امین نے ریشی ہنز رومال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر بارگاہ نبوت میں پیش کیا اور عرض کیا هَذَا زَوْجُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ یہ دنیا و آخرت میں آپ کی بیوی ہیں۔ (بخاری)

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ازواج کی تعداد گیارہ تک ہی ہے۔ یہ سب یکدم نکاح میں نہیں آئیں بلکہ یکے بعد دیگرے ان سے نکاح ہوا۔ ترتیب یوں ہے:

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں ایک بلند درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اول محرم راز ہیں اور ابتدائے وحی کے موقع پر آپ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے پاس لے گئی تھیں۔ آپ کا نام خدیجہ اور لقب طاہرہ ہے۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی مقدس بی بی ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ ہے۔ والد کا نام عامر بن لوی ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی ابوہالہ بن زوارہ

تمیمی سے ہوئی۔ اور دولہ کے ہند اور حارث پیدا ہوئے۔ ابوہالہ کے انتقال کے بعد آپ عقیق بن عائد مخزومی کے عقد میں آئیں ان سے ایک لڑکی بنام ہند پیدا ہوئی۔ اسی لیے آپ ام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ عقیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سید المرسلین کے عقد میں آئیں۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ برس اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک ۴۰ سال تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد ۲۵ برس تک زندہ رہیں۔ ان کی زندگی میں حضور ﷺ نے دوسری شادی نہیں فرمائی۔ حضور علیہ السلام سے چھ اولادیں ہوئیں۔ دو صاحبزادے جو کہ بچپن میں انتقال کر گئے۔ اور چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ، زینب، رقیہ، اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔

حضرت ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام کو بے انتہا محبت تھی۔ ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا۔ جب کبھی گھر میں کوئی جانور زچ ہوتا تو آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ملنے والی عورتوں کو گوشت ضرور بھیجواتے۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر بہت رشک آتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر آپ کو کچھ کہا تو حضور ﷺ نے فرمایا: خدا نے مجھے خدیجہ الکبریٰ کی محبت دی ہے۔ (مسلم شریف فضل خدیجہ)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں۔ جو مر چکی ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں لیکن جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو خدیجہ نے میری تصدیق کی جب لوگ کافر تھے وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی معین نہ تھا۔ انہوں نے میری مدد کی۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

حضرت سودہ حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے حضور کے عقد میں آئیں

رمضان ۱۳ ہجری نبوی بروایت زرقانی ۸ نبوی آپ کا نکاح ہوا۔ چار سو درہم مہر قرار پایا۔ آپ سے کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ حضور ﷺ کی نہایت فرمانبردار بی بی تھیں اور اس وصف میں تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں۔ حضرت عائشہ کے سوا فیاضی اور سخاوت میں بھی اپنی مثل نہ رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر نے ایک تھیلی بھیجی۔ فرمایا کیا ہے کہا گیا درہم آپ نے فرمایا کھجوروں کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں۔ یہ فرمایا اور تمام درہم تقسیم کر دیے۔ آپ سے پانچ حدیثیں مروی ہیں ایک بخاری میں بھی ہے اور صحاح میں حضرت عبداللہ بن عباس اور یحییٰ بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔

آپ کے سن وفات میں اختلاف ہے واقعہ کے نزدیک زمانہ خلافت امیر معاویہ ۵۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی، علامہ حافظ ابن حجر سال وفات ۵۵ھ قرار دیتے ہیں۔

ذہبی کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۳۳ھ میں وفات پائی۔ اس لیے ان کا زمانہ خلافت ۲۲ ہجری ہوگا اور یہ ہی آپ کا سن وفات ہوگا حضرت سودہ کی پہلی شادی سکران بن عمر سے ہوئی تھی جو انتقال کر گئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضور کی ازواج مطہرات پر لفظ ام المؤمنین کا اطلاق قرآن مجید کے ارشاد وَأَزْوَجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ سے ماخوذ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور سید عالم ﷺ کی نہایت مقدس بی بی ہیں۔ آپ کا نام عائشہ اور کنیت ام عبداللہ ہے۔ آپ کی کنیت ام عبداللہ حضور ﷺ نے ہی رکھی تھی جب کہ آپ کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بغرض محمد بنک حضور نبی ﷺ پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ عبداللہ ہے اور تم ام عبداللہ۔

(فتح الباری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے اور والدہ کا نام ام رومان زینب بنت عامر ہے جن کا انتقال ۱۶ھ میں ہوا۔
 حضرت عائشہ بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔ ۱۷ھ بعثت میں حضور ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں۔ آپ کی عمر شریف اس وقت چھ سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکم کی وساطت سے نکاح ہوا۔ چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔ نکاح کے بعد حضور ﷺ تین سال مکہ میں مقیم رہے۔ ۱۳ھ میں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو حضرت ابوبکر ساتھ تھے۔ اہل و عیال کو مکہ چھوڑ آئے تھے جب مدینہ میں اطمینان ہوا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عیال کو مدینہ بلا لیا۔ حضور ﷺ نے بھی حضرت فاطمہ، ام کلثوم اور حضرت سودہ وغیرہ کے لانے کے لیے حضرت عبداللہ بن اریقظ کو بھیج دیا۔ ماہ شوال ۱ھ ہجری میں ۹ سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔

وفات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ۹ سال تک حضور ﷺ کے ساتھ زندگی بسر کی، جب حضور ﷺ کا وصال ہوا، تو آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۲۸ سال زندہ رہیں اور ۱۷ رمضان ۵۷ھ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۷ سال تھی۔ وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت مروان بن حکم کی طرف سے حاکم مدینہ تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

فضائل

ازواج مطہرات میں حضرت ام المومنین سیدہ عقیقہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے

فضائل و مناقب آپ کا ورع تقویٰ، فقیہی اور اجتہادی بصیرت اتنی اعلیٰ ہے کہ جس کے بیان کے لیے دفتر درکار ہے۔ مختصر یہ کہ آپ ام المومنین ہیں حضور ﷺ کو آپ سے بہت محبت تھی۔ اسی محبت کی وجہ سے آپ نے اپنے مرض وفات میں تمام ازواج مطہرات سے اجازت لے کر اپنی مقدس زندگی کے آخری ایام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ نوری میں بسر فرمائے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود ہی تحدیثِ نعمت کے طور پر فرماتی ہیں کہ مجھے اللہ نے خوبیاں ایسی عطا فرمائی جو کہ کسی عورت کو نہ ملیں۔

❁ عقد سے پیشتر میری تصویر حضرت جبرئیل امین نے بحضور نبوی پیش کی (یہ تصویر قدرتی تھی کسی انسان کی بنائی ہوئی نہ تھی)۔

❁ حضور نے بجز میرے کسی اور کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔

❁ میں آپ کے خلیفہ اور آپ کے صدیق کی صاحبزادی ہیں۔

❁ مجھ کو پاکیزہ گھرانے میں پیدا فرمایا گیا۔

❁ بوقت وصال حضور ﷺ کا سر اقدس میری گود میں تھا۔

❁ حضور میرے گھر میں دفن ہوئے۔

❁ حضور میرے لحاف میں ہوتے تو بھی وحی نازل ہو جاتی تھی۔

❁ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا لَھُمْ مَغْفِرَةٌ وَ رِزْقٌ کَرِیْمٌ۔

☆ میری برأت آسمان سے نازل ہوئی۔

سیدنا یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیر خوار بچے کی زبان سے آپ کی برأت فرمائی۔ حضرت مریم کو مطعون کیا گیا تو ان کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے بحالت شیر خوارگی آپ کی برأت کا اظہار فرمایا گیا۔ لیکن

جب منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو متہم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی برأت کسی بچے یا نبی کی زبان سے نہیں کرائی بلکہ اپنے محبوب کی زوجہ محترمہ کی برأت خود فرمائی اور سورہ نور نازل فرما کر جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی پر مہر تصدیق ثبت کر دی گئی (طبری) ایسی کہ جو جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا انکار کرے وہ قرآن کا منکر ہے۔

علمی زندگی

ازواجِ مطہرات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ علم و فضل کے لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں۔ اکابر صحابہ آپ کے علم و فضل کے معترف تھے اور مسائل میں آپ سے استفسار کرتے تھے۔ آپ سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۷۴۷ حدیثوں پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا۔ بخاری نے مفردان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثیں امام مسلم نے مفرد طور پر روایت کی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ احکام شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔

ترندی کی حدیث ہے کہ جب کوئی مشکل کام پیش آتا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی حل کرتی تھیں۔ تفسیر، حدیث، اسرارِ شریعت، خطابتِ ادب اور انساب میں آپ کو بڑھت کمال حاصل تھا۔

مختصر یہ کہ ایک مسلمان کے لیے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی بیوی ہیں۔ ام المؤمنین ہیں۔ صدیق اکبر کی صاحبزادی ہیں۔ اور حضور ﷺ سیدنا صدیق اکبر کے داماد ہیں۔ یعنی صدیق وہ ہیں جن کے داماد مکرم رسول۔ نہ صرف رسول بلکہ رسولوں کے رسول اور اللہ کے محبوب اور خاتم النبیین ہیں سبحان اللہ

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں ماں کا نام بنت مظعون ہے۔ بعثت سے پانچ برس قبل پیدا ہوئیں۔ جب کہ قریش کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ خود حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی اور نکاح ہو گیا۔ آپ کی وفات شعبان ۴۵ ہجری میں زمانہ خلافت امیر معاویہ میں ہوئی۔ آپ پہلے حنیس بن حذافہ کے عقد نکاح میں تھیں۔ جو غزوہ بدر میں شہید ہو گئے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے امام بخاری نے ۵ پانچ روایت کیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام مبارک ہند، کنیت ام سلمہ، والد کا نام سہل اور والدہ کا نام عاتکہ تھا۔ پہلے عبد اللہ بن عبد الاسد بن مغیرہ کے نکاح میں تھیں۔ انہیں کے ہمراہ اسلام لائیں۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی ان کی یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ یہ پہلی عورت ہے جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ ان کے شوہر عبد اللہ بن عبد الاسد بڑے شہسوار تھے۔ غزوہ بدر واحد میں شریک ہوئے اور احد میں چند زخموں کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ ان کی نماز جنازہ حضور ﷺ نے پڑھائی اور نو تکبیریں کہیں۔ صحابہ نے عرض کی سرکار کیا سہو ہوا ہے۔ فرمایا یہ ایک ہزار تکبیر کے مستحق تھے۔

ازواج میں سب کے بعد ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ واقعہ ۵۹ ہجری امام ابراہیم حربی ۶۲، امام بخاری کی تاریخ میں ۵۸ھ اور بعض روایتوں میں ۶۱ ہجری آیا ہے۔ جب کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی اس وقت

ان کا انتقال ہوا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے تیرہ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے اور تین کو امام بخاری اور تین کو امام مسلم نے منفرد ذکر کیا ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

نام مبارک رملہ۔ ام حبیبہ کنیت حضور ﷺ کی بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں اور عبداللہ بن جحش سے نکاح ہوا۔ اپنے شوہر اوّل کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ عبداللہ بن جحش حبشہ جا کر عیسائی ہو گئے اور آپ اسلام پر قائم رہیں۔ اختلاف مذہب کی بنا پر دونوں میں علیحدگی ہو گئی اور انہیں ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ۴۳ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔ آپ سے ۶۵ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

حضرت زینب رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں ممتاز حیثیت کی مالک ہیں۔ نبی حیثیت سے وہ حضور ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ نہایت قانع، فیاض طبع اور سخی تھیں۔ عبادت میں خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں۔ انہیں کی شان میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا تم میں سے مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔ یہ استعارہ ان کی فیاضی اور سخاوت کی طرف تھا، چنانچہ پیش گوئی کے مطابق ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ان کا وصال ہوا۔ سن وصال ۲۰ھ ہے۔ ۵۳ سال کی عمر پائی۔ واقعہ یہ کہ بوقت نکاح ان کی عمر شریف ۳۵ سال تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا وہی ہیں جن کا نکاح پہلے حضور نے اپنے مہتمنی حضرت زید سے کرنا چاہا تھا۔ مگر یہ اور ان کے بھائی راضی نہ ہوئے تو آیہ مبارکہ مآکان لمومن ولا مومنۃ الخ نازل ہوئی پھر یہ بھی راضی ہو گئیں۔ نکاح ہوا۔ لیکن دونوں میں نباہ نہ

ہو سکا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی۔ حضور ﷺ نے نکاح کا پیغام دیا اور کتاب مجید میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ نکاح اللہ عزوجل نے کیا۔ چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فریہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں وہ ہوں جس کا نکاح اللہ نے آسمان پر حضور ﷺ کے ساتھ کیا۔ آپ سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں۔ دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

ام المساکین حضرت زینب بنت حزمہ رضی اللہ عنہا

نام مبارک زینب ام المساکین لقب یہ اس لیے کہ آپ فقرا کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ آپ پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ۳ھ میں آپ عقد نبوی میں آئیں۔ نکاح کو دو تین ماہ ہی گزرے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف حضرت زینب ہی ہیں جن کا وصال حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں ہوا۔ حضور ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ وفات کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر شریف تیس سال تھی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

آپ نے اپنی ذات کو بحضور نبوی ﷺ بہہ کیا۔ نام مبارک میمونہ والدہ کا نام حارث، والدہ کا نام ہند تھا۔ پہلے مسعود کے نکاح میں تھیں۔ ان سے طلاق کے بعد ابوذر ہم سے نکاح ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد حضور ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔ ۵۱ھ میں وفات پائی۔ آپ سے ستر حدیثیں مروی ہیں جن میں سے سات پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ ان کی پہلی شادی مسافع

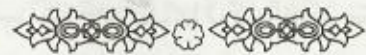
بن صفوان سے ہوئی جو غزوہ مرتبہ ۵ھ میں قتل ہوا اور یہ بھی لوٹڈی غلاموں میں ہاتھ آئیں اور ثابت قیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں اور حضور ﷺ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا اور عقد نکاح میں لیا۔

ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

آپ سے سات حدیثیں مروی ہیں۔ دو بخاری میں اور دو مسلم میں ہیں۔

حضرت صفیہ اسراہیلیہ رضی اللہ عنہا

نام مبارک زینب، اور باپ کا نام حبی بن اخطب تھا، جو بنو نضیر کا سردار تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا، جو بنو قریظہ کے سموال کی بیٹی تھی۔ ان کی پہلی شادی شام بن مشکم سے ہوئی۔ طلاق کے بعد دوسری شادی کنانہ بن الجاحق کے ساتھ ہوئی۔ یہ ۵ھ میں جب قلعہ قوص (خیبر) فتح ہوا تو کنانہ قتل ہوا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ اور بھائی بھی کام آئے اور یہ گرفتار ہوئیں۔ حضور ﷺ نے ان کو وجہ سے لے کر آزاد کیا اور نکاح فرمایا۔ ۵۰ھ میں ساٹھ سال کی عمر پا کر وصال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ آپ سے دس حدیثیں مروی ہیں جن سے صرف ایک متفق علیہ ہے۔



حضور ﷺ کی اولاد مبارک

متفق روایات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی چھ اولادیں تھیں۔

(۱) حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

جو اظہار نبوت سے گیارہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ سات دن زندگی پائی، حضور ﷺ کی کنیت ابو قاسم انہی کے انتساب سے ہے۔ یہ کنیت حضور ﷺ کو بہت پسند تھی۔

(۲) حضرت زینب رضی اللہ عنہا

حضور ﷺ کی عمر مبارک ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئیں۔ ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع لقیط سے شادی ہوئی۔ ۷ یا ۵ ہجری میں ابو العاص مسلمان ہوئے۔ دوبارہ انہیں سے نکاح ہوا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۸ھ میں انتقال فرمایا۔

(۳) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

اظہار نبوت سے قبل ۳۳ سال کی عمر میں پیدا ہوئیں، ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی۔ جس نے ان کو چھوڑ دیا۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت رقیہ کی شادی جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو دونوں ہجرتوں میں یہ ان کے ساتھ تھیں جس روز غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح کا مشرودہ سنایا گیا۔ اسی روز انہوں نے وفات پائی۔

(۴) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

۶ سال قبل از نبوت پیدا ہوئیں۔ حضرت رقیہ کے انتقال کے بعد بیع الاؤل کے مہینہ میں ان کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ چھ برس تک حضرت کے ساتھ رہیں۔ شعبان ۹ھ میں وفات ہوئی۔

(۵) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

اظہار نبوت کے اہ میں پیدا ہوئیں۔ جب پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینہ کی ہوئیں تو ۲ھ میں حضرت علی سے نکاح ہوا۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اکیس سال پانچ مہینے کے تھے۔ ۴۸۰ درہم مہر مقرر ہوا۔ حضور ﷺ نے ایک پلنگ، ایک چادر دو چکیاں اور ایک مشک جہیز میں دی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں بعض اوقات خانگی معاملات میں رنجش ہو جاتی تھیں۔ حضور ﷺ ان کے گھر جا کر صلح کروادیتے اور بہت خوش ہوتے۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرا نکاح کرنا چاہا، تو حضور ﷺ نے فرمایا فاطمہ میری جگر گوشہ ہے جس سے اسے دکھ پہنچے گا مجھے بھی اذیت ہوگی، پھر جناب علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا۔ یہ تمام اولادیں جناب خدیجہ الکبریٰ سے تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ (بخاری)

(۶) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

سب سے آخری اولاد ذی الحجہ ۸ھ میں جنابہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ حضور انہیں گود میں لیتے اور چومتے تھے۔ پندرہ مہینے زندگی پائی۔ ۹ھ میں وفات پائی۔ اتفاق سے جس روز حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا۔ سورج کو گرہ بن لگ گیا۔ عرب میں عام خیال تھا کہ کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو چاند کو گرہ بن لگ جاتا ہے۔

یہی مشہور ہو گیا کہ سورج گہن ان کی موت کا اثر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

”چاند سورج خدا کی نشانیاں ہیں۔ کسی کی موت سے انہیں گرہ بن نہیں لگتا۔“

(بخاری)

نوٹ: حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کے بارے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ صاحبزادوں کے بارے میں سخت اختلاف ہے صاحبزادوں کی تعداد آٹھ تک بتائی جاتی ہے۔

حضور ﷺ کی چار صاحبزادیوں کے ثبوت

قرآن مجید میں فرمایا لَا زَوَاجَ لَكَ (سورہ احزاب) اے نبی اپنی بیویوں سے فرما دو۔ ازواج جمع کا صیغہ ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی ایک نہیں متعدد بیویاں تھیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کے متعلق قرآن میں فرمایا وَبَنَاتِكَ بنات بھی جمع کا صیغہ ہے جس سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ کی ایک نہیں متعدد صاحبزادیاں تھیں۔ ثبوت کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیجئے۔

- (۱) تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر
- (۲) استیعاب جلد اول صفحہ ۲۲
- (۳) ترجمہ تاریخ طبری فارسی جلد ۱ صفحہ ۵۴۴
- (۴) تاریخ ابن خلدون کتاب ۲ جلد ۳ صفحہ ۲۲۹-۲۳۰
- (۵) نہج البلاغۃ مطبوعہ مطبع رحمانیہ صفحہ ۳۲۲-۳۲۳ کا حاشیہ
- (۶) اصول کافی باب مولد النبی ﷺ صفحہ ۲۷۸
- (۷) تاریخ طبری فارسی جلد ۲ صفحہ ۳۷۵
- (۸) حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۸۹

حقائق و بصائر

انصاف و دیانت اور خدا خونی کے ساتھ کسی مسئلہ پر غور کرنے والوں کے لیے

کچھ مسائل ہیں جن میں اختلاف کیا جاتا ہے کچھ واقعات ہیں جنہیں غلط رنگ دے کر غلط نتائج نکالے جاتے ہیں حق کیا ہے؟ اصل حقیقت کیا ہے؟ مندرجہ ذیل حقائق اس سلسلہ میں روشنی کا باعث ہو سکتے ہیں بشرطیکہ انصاف و دیانت اور خدا خونی کے ساتھ غور و فکر کیا جائے۔

رفیق قبر و غار

امیر المؤمنین امام اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حضور سید المرسلین ﷺ کے پہلے مقدس میں جگہ پانا آپ کی ایک ایسی خصوصیت و فضیلت ہے جس کا انکار آفتاب کے انکار کے مترادف ہے۔ گنبد خضریٰ میں حضور ﷺ جلوہ فرما ہیں اور آپ کے پہلو میں حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی آرام فرما رہے ہیں۔ اگر ایمان کی نظروں سے دیکھا جائے تو یہ واضح ہے کہ ان دونوں حضرات کے ذوقِ محبت رسول کو اس درجہ قبولیت حاصل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو حضور ﷺ کی دائمی رفاقت عطا فرمادی۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کا درجہ

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ شہید کربلا کی قبر اطہر و منور کے متعلق امام ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ

(۹) صافی شرح کافی جز سوم حصہ ۲ صفحہ ۱۴۶-۱۴۷

(۱۰) زاد المعاد عربی و فارسی صفحہ ۷۲۸

(۱۱) حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۷۱۸

(۱۲) کتاب النخال جلد ۲ صفحہ ۳۷-۳۸

(۱۳) نیرنگ فصاحت صفحہ ۳۲۶

(۱۴) اخبار الرجال صفحہ ۲۳۱

(۱۵) کتاب تحفۃ العوام صفحہ ۱۱۲

(۱۶) مدارج النبوة جلد ۲ صفحہ ۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۸

(۱۷) شفاء الصدور و الکروب جلد ۲ صفحہ ۱۰۳

(۱۸) حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۷۲۸

(۱۹) الجواهر المصیہ جلد ۱ صفحہ ۲۰

(۲۰) زرقانی شرح مواہب جلد ۳ صفحہ ۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴

(۲۱) زاد المعاد جلد اول صفحہ ۸۶

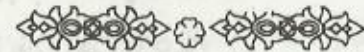
(۲۲) مظاہر حق جلد ۴ صفحہ ۴۸۸، ۴۸۹

(۲۳) انسان العیون جلد سوم صفحہ ۲۲۵

(۲۴) ناخ التوارخ جلد ۱ کتاب دوم صفحہ ۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹

(۲۵) تذکرہ الکرام صفحہ ۶۴

(۲۶) سیرۃ النبی (ابن ہشام) جلد ۱ صفحہ ۱۲۰-۱۲۱



کے ارشادات یہ ہیں:

(۱) عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ مَوْضِعُ قَبْرِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَرَعَةٌ مِنْ تَرَعِ الْجَنَّةِ۔

حضرت ابی عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کی جگہ جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۲)

(۲) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَرِيمُ قَبْرِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَمْسَةٌ فَرَسَخٌ مِنْ أَرْبَعَةِ جَوَانِبِ الْقَبْرِ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کا حرم ہر طرف سے پانچ پانچ فرسخ ہے۔

(۳) عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ مَوْضِعُ قَبْرِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْذُ يَوْمِ دُفِنَ فِيهِ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ۔

”ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا جب سے حضرت امام حسین دفن ہوئے اس وقت سے ان کے روضہ کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

(من لا یحضرہ الفقیہ جلد دوم صفحہ ۱۸۳)

جہاں روایات سے عظمت حسین کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جس مقدس و مظہر زمین پر آج حضور سرور کائنات ﷺ جلوہ افروز ہیں اور جو عرش و کرسی ولوح و قلم اور جنت سے بھی افضل و اعلیٰ برتر و بالا مقام ہے وہیں حضرت امیر المومنین صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما آرام فرما ہیں۔ اور یہ بات حضرت صدیق و فاروق کے کامل الایمان اور عاشق رسول ہونے کی دلیل واضح ہے۔

تیرے ذوقِ محبت کو شرف اللہ نے یہ بخشا کہ حاصل ہے حضوری دائمی تجھ کو پیغمبر کی

تین چاند

جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے آخری ایام ان کے ہاں گزارے اور انہی کے پہلو میں وصال فرمایا اور انہی کے حجرہ مبارک میں آپ ﷺ کا روضہ بنا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے تین چاند ان کے حجرے میں اترے ہیں۔ اسکی تعبیر یہی قرار پائی کہ وہ تین چاند حضور اکرم ﷺ، حضرت صدیق اکبر اور جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہم تھے۔

روضہ اقدس

حضرت مولانا جامی قدس سرہ العزیز نے شواہد النبوت میں یہ روایات لکھی ہے:

”حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے میرے رسول ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے اور انہوں نے یہ تاکید کی تھی کہ میرا جنازہ تیار کر کے بخضور نبوی پیش کر دینا اور یہ عرض کرنا:

”ابوبکر حاضر ہے اجازت ہو تو آپ کے پہلو میں دفن کر دیا جائے؟ اگر حضور ﷺ کی اجازت ہو تو دفن کر دینا ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا۔ جب یہ کلمات بخضور نبوی عرض کیے گئے تو روضہ پاک سے یہ آواز آئی ادخلوا الحبيب الى الحبيب ”دوست کو اس کے دوست کے پاس بھیج دو“۔

حضرت صدیق و فاروق کی عظیم و جلیل فضیلت

حضرت صدیق و فاروق کی یہ عظمت اور بہت بڑی فضیلت ہے۔ یہ دونوں حضرات بھی اسی حجرہ نوری میں دفن ہیں جہاں آج حضور جلوہ فرما ہیں۔ زبان و قلم

فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَنْتَ الصِّدِّيقُ-

(تفسیر فی صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ تہران)

”امام حسن عسکری فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے اپنے راویوں سے روایت کر کے فرمایا کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب رسول خدا ﷺ نماز میں تھے تو آپ نے ابو بکر سے فرمایا کہ میں بطور مکافئہ جعفر طیار اور اس کے ساتھیوں کی کشتی کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ٹھہری ہوئی ہے اور انصار کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے مکانات میں ٹھہر ہوئے ہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے بھی دکھا دیجئے۔ آپ نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو انہوں نے دیکھ لیا پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم صدیق ہو۔“

غور کیجئے جس مقدس انسان کو حضور سید عالم ﷺ نے اپنی مقدس زبان سے صدیق فرمایا اس کے صدیق ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی الہی ہے مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ الْخ پھر نبوت کے بعد بلا فصل رتبہ صدیق کا ہی ہوتا ہے، کیونکہ قرآن پاک میں یہی ترتیب ہے: مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔ لہذا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدیق ہونے کی وجہ سے خلیفہ بلا فصل ہونا اور افضل الخلائق بعد الانبیاء ہونا واضح ہے یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے علالت کے زمانہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کو چن کر اپنی جگہ مصلیٰ پر امامت کے لیے کھڑا کر دیا۔ چنانچہ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۶۶ پر ہے۔

قَالَ صَلَّى بِهِمْ أَبُو بَكْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ-

”زمانہ حیات نبوی میں صدیق اکبر نے تین دن نماز پڑھائی۔“

اور حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی احتجاج طبری میں ہے:

سے ان کی اس فضیلت کا انکار کر دینا آسان ہے مگر حقیقت محض باتوں سے ختم نہیں ہوا کرتی۔ ترجمہ مقبول صفحہ ۶۲ پر اصول کافی کی یہ روایت درج ہے کہ:

”سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب رحم مادر میں نطفہ قرار پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے بدن کی زمین کی مٹی اس کے نطفہ میں ملا دینے کا حکم فرماتا ہے۔ پھر اس شخص کا دل ہمیشہ اس جگہ کی طرف مائل رہتا ہے۔ جب تک کہ اس میں دفن نہ ہو جائے۔“

اور سیدہ عقیقہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ نوری کی یہ کیفیت ہے کہ اس میں جہاں حضور سید عالم نور مجسم ﷺ جلوہ فرما ہیں۔ وہاں سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما بھی موجود ہیں۔

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ نے جس مقدس مٹی سے حضور سید عالم ﷺ کے جسم پاک کو بنایا اسی کے قریب کی مٹی سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو بنایا اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قریب والی مٹی سے، جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو مرکب فرمایا اور یہ وہ فضیلت عظمیٰ ہے جو تمام امت میں سوائے ان دونوں حضرات کے اور کسی کو حاصل نہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی نظر میں

علامہ علی ابن ابراہیم قمی تفسیر قمی میں امیر المومنین امام اول خلیفہ بلا فصل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدح مندرجہ ذیل روایات درج کی ہیں:

حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ بَعْضِ رِجَالِهِ رَفَعَهُ إِلَى أَبِي عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَارِ قَالَ لَا بَى بَكَرٍ كَأَفَى أَنْظَرُ إِلَى سَفِينَةِ جَعْفَرٍ وَأَصْحَابِهِ تَقُومُ وَأَنْظَرُ إِلَى الْأَنْصَارِ فِي بُيُوتِهِمْ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ تَرَاهُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَرَيْتَهُمْ فَمَسَحَ عَلَى عَيْنَيْهِ

نُم قَامَ وَ تَهَيَّأَ لِلصَّلَاةِ وَ حَضَرَ الْمَسْجِدَ وَ صَلَّى خَلْفَ أَبِي
بَكْرٍ۔ (احتجاج طبری صفحہ ۵۲)

”پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور نماز کی تیاری کی اور مسجد میں آکر
حضرت ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھی۔“

غور کیجئے! حضرت شیر خدا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ جو صدیق نہ
ہو اور جس کی خلافت حق نہ ہو اور جو معاذ اللہ غاصب اور خائن ہو؟

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بار نبوت کو اٹھالیا

علامہ مومن علی کرمانی حملہ حیدری میں ہجرت کے واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:
چنین گفت راوی کہ سالار دیں! چو سالم بحفظ جہاں آفریں
ز نزدیک ایں قوم مکر رفت بسوئے سرائے ابو بکر رفت
پے ہجرت او نیز آمادہ بود کہ سابق رسولش خبر دادہ بود
نبی بر در خانہ اش چوں رسید! بگوشش ندائے سفر در کشید
چوں بو بکر زان حال آگاہ شد زخانہ بروں رفت و ہمراہ شد
گرفتند پس راہ یثرب بہ پیش نبی کند نعلین از پائے خویش
بر پنچہ آن رفتن گرفت!! پے خود ز دشمن نہفتن گرفت
چو رفتند چندے رد امان دشت قد دم فلک سائے مجروح گشت
ابو بکر آنکہ بدوشش گرفت و ازیں حدیث ست جائے شگفت
کہ بار نبوت تواند کشید!! کہ بار نبوت تواند کشید!!
برفتند القصہ چندے دگر چو گردید پیدا نشان سحر
بجستند جائیکہ باشد پناہ ز چشم کساں دور یک سو زراہ
بدیدند غارے در آل تیرہ شب کہ خواندے عرب غار ثورث لقب

گرفتند در جوف آل غار جائے دلے پیش بنہاد ابو بکر پائے
در آمد رسول خدا ہم بہ غار نشستند یک جا بہم ہر دو یار
”راوی نے ایسا بیان کیا کہ رسول خدا جب صحیح سالم خدا کی حفاظت میں اس
قوم پر فریب کے پاس سے نکلے تو ابو بکر صدیق کے گھر کی طرف تشریف لے گئے وہ
بھی ہجرت کے لیے تیار بیٹھے تھے کیونکہ حضور ﷺ نے ان کو پہل ہی خبر دے دی تھی۔
حضور جب ان کے گھر پہنچے ہیں تب ان کے کان میں سفر ہجرت کی خبر پہنچائی۔ پھر
جب ابو بکر اس حال سے آگاہ ہوئے تو گھر سے باہر نکل پڑے اور ساتھ ہو لیے پر
دونوں نے یثرب کا راستہ لیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نعلین پاک اپنے پاؤں سے
اتاریں اور پنچہ کے بل راستہ پر چلنا شروع کیا۔ اور اپنے کو دشمن سے بچنے کے لیے یہ
عمل اختیار کیا۔ جب تھوڑی دیر میدان میں چلے، قدم مبارک زخمی ہو گئے۔ فوراً ابو بکر
صدیق نے اپنے کندھے پر بٹھایا۔ لیکن اس امر سے سخت تعجب ہوتا ہے ایک شخص کے
اندر ایسی قوت کیسے پیدا ہو گئی۔ کہ بار نبوت کو اٹھاسکا القصہ پھر کچھ چلے، جب علامت
صبح ظاہر ہوئی تو ایسی جگہ تلاش کرنے لگے کہ جہاں پناہ لے سکیں اور جو لوگوں کی نظروں
سے اور راہ سے کنارے پر ہو۔ اس تاریک شب میں ایک غار دیکھا جس کو عرب غار
ثور کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اس غار کے اندر جگہ لی۔ لیکن پہلے ابو بکر نے اس
میں قدم رکھا اور جس جگہ سوراخ یا دراز دیکھے اپنی قبا پھاڑ کر اس کو بند کیا۔ پھر رسول خدا
بھی غار میں داخل ہوئے اور دونوں یا رمل کر بیٹھ گئے۔ (حملہ حیدری صفحہ ۵۸ واقعہ ہجرت)

پیغمبر مرازاں ازاں را برد!! براں رہ کہ می رفت ہمراہ برد
چو شد یار رہ بار رسول کہار ازاں بو بکر روی شد یار غار
ابو بکر یک پور فرزانه داشت کہ دل از دولات بے گانہ داشت
دراں غار بروئے بہر بامدار!! ز بہر نبی خوردنی از دوار!!

”حضور ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس راہ میں ساتھ لیے لیا۔ چونکہ رفیق سفر رسول کبار کے ہو گئے تھے۔ اسی لیے ابو بکر یار غار بن گئے۔ ابو بکر کے ایک عقلمند فرزند تھا جولات اور بتوں سے بیزار تھا اور ہر صبح کو اس غار میں حضور نبی کریم ﷺ کے واسطے نہایت خلوص و محبت سے خور و نوش کی چیزیں لے کر جایا کرتا تھا۔“

بوقت ہجرت حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خدا کے حکم سے ساتھ لیا تھا مجالس المؤمنین میں عبد الجلیل قزوینی لکھتے ہیں کہ ”وہمہ حال رفتن محمد بردن ابو بکر بے فرمان خدا نہ بود“ یعنی ہر حال میں حضور ﷺ کا ہجرت فرمانا اور اپنے ساتھ ابو بکر کو لینا خدا کے حکم کے بغیر نہ تھا (مجلس پنجم صفحہ ۳۱) اب غور کیجئے کہ اگر حضرت ابو بکر معاذ اللہ مومن نہ تھے تو اللہ تعالیٰ ہجرت جیسے نازک موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جانے کا حکم کیوں فرمایا؟ ایسے نازک مواقع پر تو مخلص مومنوں ہی کو ساتھ لیا جاتا ہے۔

سیدنا امام جعفر صادق نے فرمایا ابو بکر کیا اچھے صدیق ہیں

علامہ علی بن عیسیٰ اردبیلی اپنی مقبول کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں رقم طراز ہیں:

اِنَّهُ سُئِلَ الْاِمَامُ أَبُو جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ حِلْيَةِ السَّيْفِ هَلْ يَجُوزُ فَقَالَ نَعَمْ حَلَّى أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ قَبْضَةً بِقَبْضَةٍ فَقَالَ الرَّاَوِيُّ اتَّقُولُ هَكَذَا فَوَثَّبَ الْاِمَامُ عَنْ مَكَانِهِ فَقَالَ نَعَمْ الصِّدِّيقُ نَعَمْ الصِّدِّيقُ نَعَمْ الصِّدِّيقُ فَمَنْ لَمْ يَقُلْ لَهُ الصِّدِّيقُ فَلَا صَدَقَ اللَّهُ قَوْلَهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

(کشف الغمہ)

”کسی شخص نے امام جعفر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تلوار کا قبضہ چاندی کا ہونا

جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اس لیے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنی تلوار پر چاندی کا قبضہ لگوا دیا تھا۔ تو راوی نے امام سے عرض کیا کہ اے امام آپ نے بھی ابو بکر کو صدیق کہہ دیا یہ سنتے ہی امام اپنی جگہ پر اچھل پڑے اور فرمایا کہ کیا اچھے صدیق تھے کیا اچھے صدیق تھے کیا اچھے صدیق تھے اور جو شخص ان کو صدیق نہ کہے خدا اس کی دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے۔“

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رفاقت نے کفار کے لوہے ٹھنڈے کر دیئے

علامہ مومن کرمانی لکھتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر نے جب اسلام قبول کیا تو کفار عرب میں کہرام مچ گیا اور لوگ کہنے لگے کہ اب ہمارا دین پامال ہو جائے گا۔

نزد رسول خدا کرد جائے ! ابو بکر خواندش رسول خدائے
چو شد دین اسلام او را قبول پذیرفت اسلام نزد رسول
بقوم و قبائل در افتاد شور بہ نگاہ درخواست شور و نشور
بہر برزے مردو زن انجمن! ز کفر و ز اسلام او بدخن
ہمہ قوم کفار زار و زار! ز غیرت ہمہ دیدہا اشکار
کہ چوں او بزرگی ز بس ترس و بیم شود یار این نور سیدہ یتیم!
ہمہ دین مازیر پائے آورند! رہ بندگی را بجائے آورند
چو او با پیغمی بجاں کشنار بکامش شود گردش روزگار
شود دین او راست گرد د جہاں شود است گفتار کار آگہاں

(حملہ حیدری صفحہ ۴۰)

”ابو بکر نزدیک رسول خدا پہنچے اور رسول خدا نے ان کو ابو بکر کہہ کر پکارا۔ چونکہ دین اسلام ان کو پسندیدہ خاطر ہو چکا تھا۔ اس لیے رسول کے پاس اسلام قبول کیا۔ اس سے قوم اور قبیلوں میں شور برپا ہو گیا۔ اور کفار میں شور و نشور پیدا ہو گیا، ہر گلی کوچے میں چرچے

ہونے لگے۔ ان کے کفر اور اسلام کے بارے میں باتیں ہونے لگیں تمام قوم کفار کی حالت زار ہوگئی۔ غیرت کے مارے رونے لگے کہ ایسا بزرگ اس نوجوان یتیم کا یار ہو گیا۔ اب دونوں ہمارے دین کو پامال کر دیں گے اور اطاعت خدا کریں گے۔

صدیق اکبر سے حضور ﷺ خوش ہوئے اور آپ نے دعادی

یہ ہی علامہ مومن کرمانی لکھتے ہیں:

پہنچ ابو بکر از جائے خاست
بگفتند یاسید المرسلین
کہ با دشمن دیں چہای کنم
وزاں پس زجا خاست مقدار نیز
بود تاب تن جان و در کف توای
ازاں گشتہ خوش دل رسول خدا
بگفت اے حبیب خدائے عزیز
بیاریم شمشیر بر دشمنان
بفرمود در حق ایشان دعا!!
(اس کے بعد دعا کے الفاظ ہیں) (حملہ حیدری صفحہ ۵۸)

”معروض پیش کرنے کے لیے ابو بکر کھڑے ہوئے بعد عمر کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اے سید المرسلین ﷺ آپ میدان جنگ میں، تشریف لے چلیں۔ پھر ہم کو دیکھیں کہ ہم دشمنان دین کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور آپ کے قدموں پر کس طرح جان فدا کرتے ہیں۔ اس کے بعد مقدار ادا ٹھے اور کہا کہ اے حبیب خدا جب تک تن میں جان ہے اور بازو میں قوت دشمنوں پر تلوار چلائیں گے۔ اس سے رسول خدا خوش ہو گئے اور ان سب کے حق میں دعا فرمائی۔“

رفیق فی الغار

فروع کافی میں ہے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ يَقُولُ لَا يَبِيْ بُكَرٍ فِي الْغَارِ أُسْكُنْ فَإِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔

”حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے غار میں فرمایا گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔“ (فروع کافی کتاب الروضہ جلد سوم صفحہ ۱۳۳)

غور کیجئے، حضور فرماتے ہیں: فَإِنَّ اللَّهَ مَعَنَا اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ اگر خدا نخواستہ صدیق اکبر کے دل میں ذرا بھی کجی ہوتی تو حضور ﷺ اس کے بجائے یہ فرماتے صدیق گھبراتے کیوں ہو خدا میرے ساتھ ہے۔ مگر حضور ﷺ نے یہ یہی فرمایا۔ خدا ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ سبحان اللہ!

صدیق اکبر امام الاتقیاء ہیں

علامہ طبری آیہ مبارکہ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ رَسُولُ اللَّهِ وَصَدَّقَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ۔
”حق و صداقت لانے والے حضور اکرم ﷺ ہیں اور اس صداقت کاملہ کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے ابو بکر ہیں۔“

امام جعفر صادق کا حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے متعلق ارشاد گرامی
هُمَا إِمَامَانِ عَادِلَانِ قَاسِطَانِ كَانَا عَلَى الْحَقِّ وَمَا نَا عَلَيْهِمَا
رَحْمَةُ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (کشف الغمہ)

”حضرت ابو بکر اور عمر دونوں عادل و منصف تھے اور دونوں حق پر تھے اور حق پر ان کا انتقال ہوا ان پر قیامت تک خدا کی رحمت ہو۔“

سیدنا علی نے ایک حکم جاری فرمایا

لَا يُفْضِلُنِي أَحَدٌ عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ إِلَّا جَلَدْتُهُ حَدَّ الْمُفْتَرِي۔
 ”جو مجھے ابو بکر اور عمر پر فضیلت دے گا میں اسے مفتری کی حد ماروں گا۔“

حضرت امام باقر کا فیصلہ

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

لَسْتُ بِمُنْكَرٍ فَضْلَ أَبِي بَكْرٍ وَلَسْتُ بِمُنْكَرٍ فَضْلَ عُمَرَ وَلَكِنْ
 أَبَا بَكْرٍ أَفْضَلُ مِنْهُ۔

”میں ابو بکر و عمر کے فضائل کا منکر نہیں ہوں لیکن ابو بکر عمر سے افضل ہیں۔“

(احتجاج طبری صفحہ ۲۰۴)

غور کیجئے امام جعفر صادق و امام باقر رضی اللہ عنہما کے فیصلے کے بعد بھی جناب ابو بکر و عمر کے کامل الایمان ہونے اور ان کے سب سے افضل ہونے کا انکار کیا جاسکتا ہے؟

شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

اب اس کے بعد آخری اور قطعی فیصلہ حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سنیے۔
 امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک خط امیر معاویہ کو حسب ذیل عبارت کا لکھا۔ اس خط کو تمام شارحین نہج البلاغہ نے نقل کیا ہے۔ ہم اس کو علامہ ابن میم کی شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران جز ۳۱ سے نقل کرتے ہیں۔

وَكَانَ أَفْضَلُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ كَمَا زَعَمْتَ وَأَنْصَحَهُمْ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ
 الْخَلِيفَةُ الصِّدِّيقُ وَخَلِيفَةُ الْفَارُوقِ وَلَعُمْرِي إِنَّ مَكَانَهُمَا فِي
 الْإِسْلَامِ تَعَظِيمٌ وَإِنَّ الْمَصَابَ بِهِمَا لَجُرْحٌ فِي الْإِسْلَامِ شَدِيدٌ يَرْحُمُهُمَا
 اللَّهُ وَجَزَاهُمَا بِأَحْسَنِ مَا عَمِلَا۔

”اور اسلام میں سب سے افضل اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اخلاص رکھنے میں سب سے بڑھ کر جیسا کہ تم نے بیان کیا۔ خلیفہ صدیق تھے اور خلیفہ کے خلیفہ فاروق اور تم مجھے اپنی جان کی کہ بہ تحقیق ان دونوں کا مقام اسلام میں بڑا ہے اور بہ تحقیق ان کی وفات سے اسلام کو سخت زخم پہنچا اللہ ان دونوں پر رحمت نازل کرے اور ان کو ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دے۔“

فرمائیے! حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے بعد بھی کیا کسی کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور ان کے کامل الایمان ہونے اور افضل و اکمل ہونے میں کچھ شک رہ سکتا ہے۔

صدیق اکبر اور حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے درمیان محبت کا ایک نمونہ

ایک دن ابو بکر و عمر و سعد بن معاذ مسجد رسول میں بیٹھے آپس میں مزاحمت جناب فاطمہ کا ذکر کر رہے تھے ابو بکر نے کہا کہ اشرف قریش نے فاطمہ کی خواست گاری حضرت سے کی اور حضرت نے ان کو جواب دیا کہ اس کا اختیار پروردگار کو ہے اور حضرت علی ابن ابی طالب نے اس کے بارے میں حضرت سے کچھ نہیں کہا اور نہ کسی نے ان کی طرف سے کہا اور گمان یہی ہے کہ سوائے تنگ دستی کے اور کچھ مانع نہیں ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ خدا اور رسول نے فاطمہ کو بے شک علی کے لئے رکھا ہے۔ پس ابو بکر نے سعد بن معاذ سے کہا اشوعلی کے پاس چلیں اور ان سے کہیں کہ فاطمہ کی خواست گاری کرو۔ اگر تنگ دستی انہیں مانع ہے تو ہم اس بات میں ان کی مدد کریں گے۔

سعد بن معاذ نے کہا بہت درست ہے۔

یہ کہہ کر اٹھے اور جناب امیر کے گھر گئے۔ جناب امیر کی خدمت میں پہنچے۔

حضرت نے فرمایا کس لیے آئے ہو۔ ابو بکر نے کہا اے ابوالحسن کوئی فضیلت، فضیلت

ہائے نیک سے نہیں ہے۔ مگر یہ کہ تم اور لوگوں پر اس فضیلت میں سابق ہو۔ تمہارے اور حضرت رسول ﷺ کے درمیان جو رابطہ بہ سبب یگانگی اور مصاحبت دائمی و نصرت باری اور جو روابط معنوی ہیں وہ معلوم ہیں۔ جمیع قریش نے فاطمہ کی خواستگاری کی۔ مگر حضرت نے قبول نہ کی اور جواب دیا کہ اس کا اختیار پروردگار کو ہے۔ پس تم کو کیا چیز فاطمہ کی خواستگاری سے مانع ہے۔ ہم کو گمان یہ ہے کہ خدا و رسول نے فاطمہ کو تمہارے واسطے رکھا ہے۔ باقی اور لوگوں سے منع کیا ہے۔

امیر نے ابوبکر سے یہ سنا اور آنسو چشم ہائے مبارک سے جاری ہوئے اور فرمایا میرا غم اور اندوہ تم نے تازہ کیا اور جو آرزو میرے دل میں پنہاں تھی۔ اس کو تم نے تیز کر دیا۔ کون ایسا ہوگا جو فاطمہ کی خواستگاری نہ چاہتا ہو۔ لیکن مجھے یہ بہ سبب تنگ دستی اس امر کے اظہار سے شرم آتی ہے۔ پس ان لوگوں نے جس طرح سے ہوا۔ جناب امیر کو راضی کیا کہ جناب رسول خدا ﷺ کے پاس جا کر حضرت فاطمہ کی خواستگاری کریں۔

(جلاء العیون اردو جلد اول صفحہ ۱۸)

حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کا جہیز

حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کا جہیز خریدنے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے صدیق اکبر کو منتخب کیا۔ جناب امیر نے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے مجھے ارشاد کیا۔ یا علی اشو اور اپنی زرہ بیچ ڈالو۔ پس میں گیا اور زرہ فروخت کر کے اس کی قیمت حضرت کی خدمت میں لایا اور روپے حضرت کے دامن میں رکھ دیے۔ حضرت نے مجھ سے نہ پوچھا کہ کتنے روپے ہیں اور میں نے کچھ نہ کہا۔ پس ان سے ایک مٹھی روپیہ لیا اور بلال کو بلا کر دیا اور فرمایا کہ فاطمہ کے لیے عطر اور خوشبو لے آ۔

پس ان دراہم میں سے دو مٹھیاں لے کر ابوبکر کو دیں اور فرمایا کہ بازار میں جا اور کپڑا وغیرہ جو کچھ اثاث البیت کا درکار ہے لے آ۔ پس عمار بن یاسر اور ایک

جماعت صحابہ کو حضرت ابوبکر کے پیچھے بھیجا اور سب بازار میں پہنچے۔ پس ان میں ہر ایک شخص جو چیز لیتا تھا۔ ابوبکر کے مشورے سے خرید کرتا اور دکھالیتا تھا۔

پس ایک پیرا ہن سات درہم کو اور ایک مقنعہ چار درہم کو اور ایک چادر سیاہ خیبری و کرسی کے دونوں پائے اس کے لیف خرما سے جڑے تھے اور دو تو شک جامہ ہائے مصری کی ایک کو لیف خرما سے اور دوسرے کو پشم گو سفند سے بھرا تھا۔

صدیق اکبر عامل بالسنت تھے خلافت کی خوبیوں سے بہرہ ور تھے

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا حقیقت افروز اعلان:

لِلّٰهِ بِلَادُ فُلَانٍ لَّقَدْ قُوَّمَا وَاَقَامَ السُّنَّتْ وَخَلَفَ الْفِتْنَةَ ذَهَبَ تَقِيَّ الثُّوبِ وَقَلِيلُ الْعَيْبِ اَصَابَ خَيْرَهَا وَسَبَقَ شَرَهَا۔

اللہ کے لیے خلافت تھی فلاں شخص کی (صدیق اکبر کی) بے شک اس نے کجی کو سیدھا کیا اور سنت کو قائم کیا اور فتنوں کو پیچھے کر دیا خود دنیا سے پاک دامن و کم عیب رخصت ہوا اور خلافت کی خوبیوں سے بہرہ ور ہوا اور اس کی برائیوں سے پہلے چلا گیا۔

(بیج البلاغہ۔ شرح ابن مہیم صفحہ ۲۰۷)

جب حضرت علی مرتضیٰ کی والدہ نے وفات پائی تو قبر کھدوانے کے لیے

رسول کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا:

فَلَمَّا مَاتَتْ دَعَا اُسَامَةَ وَعُمَرَ فَحَفَرَا لَهَا قَبْرَهَا۔

پس جب فاطمہ بنت اسد حضرت علی مرتضیٰ کی والدہ فوت ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اسامہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا پس انہوں نے ان کی قبر کھودی۔

(مرآۃ العقول جلد اول مطبوعہ نجف اشرف شرح اصول کافی)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

صدیق اکبر کی زوجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بیوہ تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مرنے کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا۔ (مسلم بن الفریقین)

سیدنا صدیق اکبر بیمار ہوئے

سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی تیمارداری کی۔ امام جعفر صادق سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ آیت وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍ شَيْخِينَ (صدیق اکبر اور فاروق اعظم) اور علی ابن ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ فرمایا ہاں! پوچھا کہ وہ کینہ کیا تھا جس کو حق تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں سے نکال دیا فرمایا کہ کینہ جاہلیت جو اولادِ تیم وعدی و ہاشم میں تھا وہ اسلام و ایمان کے بعد محبت و الفت کی شکل میں تبدیل ہو گیا حتیٰ کہ جب ابو بکر صدیق دردِ خاصہ میں مبتلا ہوئے تو حضرت علی نے بہ نفس نفیس بڑے انہماک سے آپ کا معالجہ کیا۔ (شمی الکلام صفحہ ۲۸۴ معنف مولوی حیدری علی)

جو صدیق کو صدیق نہ سمجھے گا وہ جھوٹا ہے

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی جناب امام جعفر صادق، امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے جناب زین العابدین کے پاس آکر عرض کیا کہ مجھے ابو بکر کے کچھ حالات سنائیے۔ آپ نے فرمایا تم ابو بکر کے حالات پوچھتے ہو۔ سائل نے عرض کیا کہ آپ ان کو صدیق کے لقب سے یاد فرماتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ تیری ماں تجھ پر روئے ان کو تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مہاجرین و انصار اسی معزز لقب (صدیق) سے یاد فرماتے تھے اور جو شخص ان کو

صدیق نہ کہے گا حق تعالیٰ اس کی دارين میں تصدیق نہیں کریں گے جاؤ اور شیخین کے دوست ہو جاؤ۔ (شمی الکلام صفحہ ۲۸۴)

جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل سمجھے

حضرت امیر علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ ابن سبا اور اس کی ذریت حضرات شیخین کی برائی میں منہمک ہے تو آپ نے اسی وقت مسجد میں جا کر ایک خطبہ شیخین کے فضائل میں پڑھا اور جناب صدیق اکبر کی امامت کا ذکر فرماتے ہوئے کہا کہ میرے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق کو امامت کے لیے منتخب فرمایا اور فرمایا کہ یاد رکھو میں جس شخص کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس نے مجھ کو شیخین سے افضل کہا ہے اس کو حدِ افترا کی سزا دوں گا چرچائے کہ کوئی شخص ان کو برا کہے۔ (شمی الکلام صفحہ ۲۸۹)

صدیق اکبر، فاروق اعظم سے افضل تھے۔ حضرت محمد باقر کا اعلان لَسْتُ بِمُنْكَرٍ فَضْلَ أَبِي بَكْرٍ وَلَسْتُ بِمُنْكَرٍ فَضْلَ عُمَرَ وَلَكِنْ أَبَا بَكْرٍ الْفَضْلُ۔

”میں ابو بکر و عمر کے فضائل کا منکر نہیں ہوں لیکن ابو بکر افضل ہیں۔“

(حتاج طبری صفحہ ۲۰۴)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ صدیق اکبر کے پیچھے نمازیں ادا کرتے تھے۔ ثُمَّ قَامَ وَتَهَيَّأَ لِلصَّلَاةِ وَحَضَرَ الْمَسْجِدَ وَصَلَّى خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ۔ ”بعدہ حضرت علی اٹھے اور نماز کے لیے تیار ہوئے اور مسجد نبوی میں حاضر ہو کر ابو بکر کے پیچھے نماز ادا کی۔“

علی مرتضیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صف میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ القصہ جب رات گزری اور سپیدہ سحر نے روئے عالم پر چادر نور بچھائی۔ اتفاقاً حکمِ قدر سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس وقت ایسے محو خواب ہوئے کہ تاریکی شب نے

ساتھ روشنی صبح کے بدل کیا۔ پس بے اختیار اٹھے اور گزرے ہوئے وقت کے لیے بہت گھبرائے۔ ناچار ان کرا قامت کہی اور جماعت اہل دین نے ان کے پیچھے صف باندھی چنانچہ اس صف میں شاہ لافنا بھی تھے۔ (غزوات حیدری صفحہ ۲۲۷ ترجمہ جلد حیدری)

انصار نے اسلام کی بے مثال مدد کی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدح میں فرماتے ہیں:

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْأَنْصَارِ هُمْ وَاللَّهُ رَبُّوهُ لَا سَلَامَ كَمَا يُرَبِّي الْفُلُوءَ مَعَ غِنَاهُمْ بِأَيْدِيهِمُ السِّيَاةِ وَالسَّنْثَمِ السَّلَاطِ۔

خدا کی قسم! انہوں نے اسلام کی پرورش کی جیسے اونٹ کا چھوٹا بچہ پرورش کیا جاتا ہے باوجودیکہ ان کو کچھ حاجت نہ تھی اپنے سخاوت والے ہاتھوں اور اپنی دراز زبانوں سے (انہوں نے اسلام کی مدد کی)۔ (نہج البلاغہ جلد دوم مصری صفحہ ۱۵۲)

تمام اصحاب رسول کامل ایمان تھے

مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ”البتہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کو دیکھا ہے اے میری جماعت تم میں سے کوئی بھی ان کے مشابہ نہیں ہے۔ بے شک دین میں جنگ کی وجہ سے غبار آلود رہتے تھے۔ (نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۱۹۰)

حسین کریمین رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سپہریدار مقرر کیا

”پس حکم کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسین کریمین رضی اللہ عنہ کو کہ لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روکیں۔ (نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۵)

حضرت سیدہ شہر بانو کا نکاح امام حسین سے

الصافی شرح الأصول کافی مرة العقول شرع فروع کافی اور اس کے علاوہ تمام

معتبر کتب میں موجود ہے اور اس واقعہ سے کسی کو انکار بھی نہیں ہے کہ حضرت شہر بانو عہد فاروقی میں قید ہو کر آئیں تو جناب فاروق اعظم نے فرمایا یہ شہزادی ہیں اور ان کے لیے شہزادہ ہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ شہزادہ کونین سیدنا امام حسین علیہ السلام سے آپ کا نکاح کر دیا گیا۔

حضرت فاروق اعظم شیر خدا کی نظر میں

نہج البلاغہ میں دو سخت نازک موقعوں پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مشورہ لینا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نہایت اخلاص اور دلی محبت کے ساتھ مشورہ دینا مذکور ہے ملاحظہ فرمائیے نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۷۱ میں ہے:

وَمِنْ كَلَامِ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَدْ شَاوَرَهُ عُمَرُ فِي الْخُرُوجِ إِلَى غَزْوَةِ الرُّومِ بِنَفْسِهِ وَقَدْ تَوَكَّلَ اللَّهُ لِأَهْلِ هَذَا الدِّينِ بِإِعْزَازِ الْحُرَّةِ وَسِتْرِ الْعَوْرَةِ وَالَّذِي نَصَرَهُمْ وَهُمْ قَلِيلٌ لَا يَنْتَصِرُونَ وَمَنْعَهُمْ وَهُمْ قَلِيلٌ لَا يَمْتَنِعُونَ حَتَّى لَا يَمُوتَ إِنَّكَ مَتَى تَسِيرُ إِلَى هَذَا الْعَدُوِّ بِنَفْسِكَ فَتَلْقَهُمْ فَتَكُفُّ لَا تَكُنْ لِلْمُسْلِمِينَ كَانْفَةِ دُونَ أَقْصَى بِلَادِهِمْ فَلَيْسَ بَعْدَكَ مَرْجِعٌ يَرْجِعُونَ إِلَيْهِ فَاْبْعَثْ إِلَيْهِمْ رَجُلًا مُجَرَّبًا وَاحْضَرْ مَعَهُ أَهْلَ الْبَلَاءِ وَالنَّصِيحَةِ فَإِنَّ أَظْهَرَ اللَّهِ فَذَاكَ مَا تُحِبُّ وَإِنْ تَكُنِ الْآخِرَى كُنْتَ رِذَاءً لِلنَّاسِ وَمَثَابَةً لِلْمُسْلِمِينَ۔

جناب امیر علیہ السلام کا یہ کلام اس وقت کا ہے جب کہ حضرت عمر نے جنگ روم میں خود اپنے جانے کے لیے ان سے مشورہ لیا ہے۔ یہ تحقیق اللہ اس دین والوں کے لیے ذمہ دار ہے ان کی جماعت کو عزت دینے اور ان کی کمزوریوں کو چھپانے کا اور جس نے ان کو اس حال میں مدد دی جبکہ وہ کم تھے فتح نہیں پاسکتے تھے اور اس حال میں

ان کو محفوظ رکھا کہ وہ کم تھے اور وہ محفوظ نہیں رہ سکتے تھے وہ اللہ اب بھی زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ تحقیق آپ جس وقت اس دشمن کے سامنے خود جائیں گے اور خود ان سے مقابلہ کریں گے تو اگر کہیں شہید ہو گئے تو پھر مسلمانوں کو کوئی جائے پناہ ان کے آخری شہروں تک کہیں نہ ملے گی کیونکہ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں جس کی طرف مسلمان رجوع کریں لہذا آپ کسی تجربہ کار شخص کو ان کی طرف روانہ کیجئے اور اس کے ساتھ آزمودہ کار اور خیر خواہ لوگوں کو بھیجئے تاکہ اللہ ان کو غلبہ دے تو یہی آپ کا مقصود ہے اور اگر خدا نخواستہ کوئی دوسری بات ہوئی تو آپ مسلمانوں کے لئے جائے پناہ اور ان کے مرجع ہیں۔“

فاروق اعظم میرے مخلص دوست ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان کلمات کو غور سے پڑھو دیکھو کیسی محبت اور کیسی عقیدت ہے ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چند نتائج ان کلمات کے جو دل پر نقش کرنے کے قابل ہیں حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عمر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا محب مخلص جانتے تھے۔ مشورہ اسی سے طلب کی جاتا ہے جس کی محبت و اخلاص پر اعتماد ہو۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس دین کے متعلق جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اور تمام صحابہ کا تھا۔ فرمایا کہ اللہ اس کی عزت کا ذمہ دار ہے اور اس دین والوں کی خدا نے بے سروسامانی میں مدد کی وہ خدا اب بھی موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اور تمام صحابہ کا دین وہی تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ہیں۔

حضرت فاروق مسلمانوں کا مرجع ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس کو بے مثل و بے نظیر جانتے تھے اور ان کا

یہ اعتماد تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمانوں کو روئے زمین میں کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا مددگار اور بجا و مادی فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ میں جانے سے روکا کہ مبادا وہ شہید نہ ہو جائیں اور اگر بقول مخالف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے عداوت ہوتی تو روکنے کے بجائے میدان جنگ میں جانے کی ترغیب دیتے اور ان کی شہادت کو مسلمانوں کے لیے راحت تصور کرتے۔

دوسرا مشورہ غزوہ فارس کے متعلق

نسخ البلاغہ جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۲۸۳ میں ہے:

وَمَنْ كَلَامَ لَهُ، عَلَيْهِ السَّلَامُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَقَدْ شَاوَرَهُ، فِي غَزْوَةِ الْفُرسِ بِنَفْسِهِ إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ لَمْ يَكُنْ نَصْرُهُ، وَلَا خِذْلُهُ، لِأَنَّهُ، بِكَثْرَةِ وَلَا قِلَّةٍ، وَهُوَ دِينُ اللَّهِ الَّذِي أَظْهَرَهُ، وَجُنْدُهُ الَّذِي أَعَدَّهُ، وَأَمَدَّهُ، حَتَّى بَلَغَ مَا بَلَغَ، وَطَلَعَ حَيْثُ طَلَعَ، وَنَحْنُ عَلَى مَوْعُودٍ مِنَ اللَّهِ مُنْجِزٍ وَعْدِهِ، وَنَاصِرٍ جُنْدِهِ، وَمَكَانُ الْقَيْمِ بِالْأَمْرِ مَكَانُ النِّظَامِ مِنَ الْخُورِ يَجْمَعُهُ، وَيَضُمُّهُ، فَإِنْ انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ الْخُورُ ذَهَبَ ثُمَّ لَمْ يَجْتَمِعْ بَعْدًا فِيرِهُ أَبَدًا وَالْعَرَبُ الْيَوْمَ وَإِنْ كَانُوا قَلِيلًا فَهُمْ كَثِيرُونَ بِالْإِسْلَامِ وَعَزِيزُونَ بِالْاجْتِمَاعِ فَكُنْ قُطْبًا وَاسْتَدِرَّ الرَّحَى مِنَ الْعَرَبِ وَأَصْلِهِمْ دُونَكَ نَارُ الْحَرْبِ فَإِنَّكَ إِنْ شَخَصْتَ مِنْ هَذِهِ الْأَرْضِ انْتَقَضَتْ عَلَيْكَ الْعَرَبُ مِنْ أَطْرَافِهَا وَأَقْطَارِهَا حَتَّى يَكُونَ مَا تَدْعُ وَرَاءَكَ مِنَ الْعَوَارَةِ أَهَمَّ إِلَيْكَ غَدًا يَقُولُوا هَذَا أَصْلُ الْعَرَبِ فَإِذَا قَطَعْتُمُوهُ اسْتَرْحَتُمْ فَيَكُونُ ذَلِكَ أَشَدَّ لِكُلِّهِمْ عَلَيْكَ وَطَمَعِهِمْ فِيكَ وَأَمَّا ذِكْرُكَ مِنْ مَسِيرِ الْقَوْمِ إِلَى قِتَالِ الْمُسْلِمِينَ فَإِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ هُوَ أَكْرَهُ، لِمَسِيرِهِمْ مِنْكَ وَهُوَ أَقْدَرُ عَلَى

تَغْيِيرِ مَا يَكْرَهُ وَأَمَّا مَا ذَكَرْتُ مِنْ عَدَدِهِمْ فَإِنَّا لَمْ لَكُنْ نَقَاتِلَ فِيمَا مَضَى
بِالْكَثْرَةِ وَإِنَّمَا كُنَّا نَقَاتِلُ بِالنَّصْرِ وَالْمَعُونَةِ۔

”جناب امیر علیہ السلام کا کلام ہے حضرت عمر بن خطاب سے جب کہ انہوں نے جناب امیر سے مشورہ لیا ایران کی لڑائی میں خود اپنے جانے کے متعلق بہ تحقیق اس کام کی شکست کثرت لشکر و قلت لشکر سے نہیں ہے اور وہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے (سب پر) غالب کیا اور یہ اس کا لشکر ہے جس کو اس نے مہیا کیا اور بڑھایا یہاں تک کہ پہنچا جہاں تک کہ پہنچا اور طلوع ہوا اور ہم لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کا پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کا مددگار ہے اور قیتم بالا مر یعنی خلیفہ کی وہ حیثیت ہوتی ہے جو ہار کے دانوں میں دھاگے کی ہوتی ہے کہ وہ دھاگا ان سب دانوں کو جمع کئے ہوئے اور ملائے ہوئے رہتا ہے اگر دھاگا کٹ جائے تو سب دانے منتشر اور متفرق ہو جاتے پھر کبھی اپنی پہلی وضع پر جمع نہیں ہوتے اہل عرب آج اگرچہ کم ہیں مگر اسلام کے سبب سے کثیر ہیں اور باہمی اتحاد کے باعث باعزت ہیں۔ پس آپ قطب بن جائیے اور چکی کو عرب سے گردش دیجئے اور دوسرے لوگوں کو آتش حرب میں ڈالنے خود نہ بڑھیے کیونکہ اگر آپ اس سرزمین (مدینہ) سے اٹھے تو تمام عمر ہر چہار طرف سے آپ پر (پردانوں کی طرح) ٹوٹ پڑیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ مدینہ خالی ہو جائے گا اور آپ اپنے پیچھے جن مقامات کو بے حفاظت چھوڑ دیں گے وہ سامنے کی لڑائی سے زیادہ اہم ہو جائیں گے (پھر دوسری بات یہ ہے) کہ عجمی لوگ جب آپ کو کل میدان جنگ میں دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ شخص عرب کی جڑ ہے اگر اس کو کاٹ ڈالو گے تو ہمیشہ کے لیے آرام پا جاوے گا لہذا یہ خیال ان کے حملے کو سخت اور ان کی امیدوں کو قوی کر دے گا۔ باقی رہا یہ کہ جو آپ نے ذکر کیا کہ فوج عجم مسلمانوں کے قتال کے لیے روانہ ہو چکی ہے تو اللہ سبحانہ کو ان کی یہ روانگی آپ سے زیادہ ناپسند

ہے اور وہ جس چیز کو ناپسند کرے اس کے بدل دینے پر قادر ہے اور جو آپ نے ان کی کثرت بیان کی تو بات یہ ہے کہ ہم لوگ زمانہ گزشتہ میں اپنی کثرت کے باعث قتال نہ کرتے تھے بلکہ خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے لڑتے تھے۔“

امام چہارم جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس خطبہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جس محبت و الفت کا اظہار فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

حضرت عمر کا دین اللہ کا دین اور ان کی جماعت اللہ کا لشکر ہے

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دین کو اللہ کا دین اور ان کے لشکر کے خدا کا لشکر فرمانا۔ (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جماعت میں اپنی ذات مبارک کو بھی شامل کر کے فرمایا کہ ہم لوگوں سے خدا نے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا۔ (۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات کو مسلمانوں کا نظام فرمایا اور فرمایا کہ یہ نظام آپ کے بعد قیامت تک پھر کبھی نہ ہوگا۔ اس لیے آپ قیتم بالا مر ہیں (۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے عربوں کو باوجود قلت کے بوجہ اسلام کے کثیر اور بوجہ باہمی اتحاد کے باعزت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک باہمی رنج و عداوت کے سبب قسے غلط اور خود تراشیدہ ہیں۔ (۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ میں جانے سے یہ کہہ کر روکا کہ آپ کے بعد یہاں کا انتظام خراب ہو جائے گا اور دشمن لڑائی میں بڑی کوشش کریں گے۔ اس خیال سے کہ آپ کے بعد ان کو ہمیشہ کیلئے چین مل جائے گا۔ (۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں کی جاں نثاری اور محبت کو بیان فرمایا۔ (۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی شکست اور ان کے دشمنوں کی فتح کو خدا کا ناپسندیدہ اور مکروہ امر فرمایا (۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زمانہ گزشتہ کے غزوات اور ان کو خدا کے الطاف و عنایات کی یاد دلا کر تسکین دی۔

شرف دامادی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا جو حضرت فاطمہ کے بطن مبارک سے تھیں یعنی رسول خدا ﷺ کی نواسی تھیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینا ایک تاریخی واقعہ ہے کوئی روایت نہیں اعلیٰ ترین مستند کتابوں میں اس واقعہ کا تذکرہ ہے۔ سنیوں کی سب سے بڑی مستند کتاب ”صحیح بخاری“ کتاب الجہاد باب حمل النساء القرب“ میں اس نکاح کا تذکرہ اس طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ چادریں مدینے کی بعض عورتوں کو تقسیم کیں۔ ایک نفیس چادر بیچ گئیں تو کسی نے ان سے کہا کہ:

أَعْطِ هَذَابَنَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْتِي عِنْدَكَ يُرِيدُونَ أُمَّ كُلْثُومَ بِنْتِ عَلِيٍّ۔
”یہ چادر رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کو جو آپ کے نکاح میں ہیں دے دیجئے۔ مراد اس سے ام کلثوم بنت علی ہیں۔“

مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول نہ کیا اور آپ نے فرمایا کہ نہیں اس چادر کو حق دار ام سلیط صحابیہ میں جو غزوات نبویہ میں مجاہدوں کو پانی پلایا کرتی تھیں درحقیقت یہ چادر حضرت ام کلثوم کو دینا گویا اپنے ہی گھر میں رکھ لینا تھا۔ اور یہ بات فاروقی زہد و عدالت کے خلاف تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

يُرِيدُونَ أُمَّ كُلْثُومٍ كَانَتْ عُمَرُ قَدْ تَزَوَّجَ أُمَّ كُلْثُومَ بِنْتِ عَلِيٍّ وَأُمُّهَا فَاطِمَةُ وَلِهَذَا قَالُوا لَهَا بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ قَدْ وَلَدَتْ فِي حَيَاتِهِ وَهِيَ أَصْغَرُ بَنَاتِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ۔

”ام کلثوم بنت علی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تھا۔ ام کلثوم کی ماں

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں اسی وجہ سے لوگوں نے ان کو رسول اللہ کی صاحبزادی کہا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات مبارک میں پیدا ہوئی تھیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سب سے چھوٹی لڑکی تھیں۔“

نیز کتاب کافی میں تو ایک خاص مستقل باب اس عنوان سے ہے باب تزویج ام کلثوم اسی باب کی دو ایک روایتیں ملاحظہ ہوں۔

فروع کافی جلد دوم صفحہ ۱۴۱ میں ہے:

عَنْ زُرَّارَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي تَزْوِيجِ أُمِّ كُلْثُومٍ فَقَالَ ذَلِكَ فَرَجٌ غَضِبْنَاهُ۔

زرارہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نکاح ام کلثوم کے متعلق روایت کیا ہے کہ امام نے فرمایا وہ ایک شرمگاہ تھی جو ہم سے چھین لی گئی۔

ایک دوسری روایت اسی صفحہ میں اور ہے:

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَمَّا خَطَبَ إِلَيْهِ قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّهَا صَبِيَّةٌ قَالَ فَلَقِيَ الْعَبَّاسَ فَقَالَ لَهُ مَا لِي بِأَسْ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ خُطِبْتُ إِلَى ابْنِ أَخِيكَ فَرَدَّ بَنِي أَمَادِ اللَّهِ لَا عُودَ دَنْ زَمْزَمَ وَلَا أَدْعُ لَكُمْ مُكْرَمَةً إِلَّا هَذِمْتُهَا وَلَا فِيمَنْ عَلَيْهِ شَاهِدِينَ بَالَهُ سَرَقَ وَلَا قُطْعَنَ يَمِينَهُ فَاتَاهُ الْعَبَّاسُ فَأَخْبَرَهُ وَسَأَلَهُ أَنْ يَجْعَلَ الْأَمْرَ إِلَيْهِ فَجَعَلَهُ إِلَيْهِ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب ام کلثوم کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کو پیغام دیا تو امیر المؤمنین نے فرمایا کہ وہ ابھی کسمن پچی ہے امام فرماتے ہیں کہ پھر عمر عباس سے ملے اور ان سے کہا کیا مجھ میں کوئی عیب ہے؟ عباس نے کہا، یہ کیا بات ہے؟ تو عمر نے کہا میں نے تمہارے بھتیجے علی کو نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ انہوں نے مجھ سے انکار کر دیا۔ اللہ کی قسم میں زمرم کی نوعیت تم سے واپس لے لوں گا

اور تم لوگوں کی عزت کی کوئی چیز باقی نہ رکھوں گا اور علی پر دو گواہ بناؤں گا کہ انہوں نے چوری کی اور ان کا داہنا ہاتھ کٹوا دوں گا پس عباس علی کے پاس آئے اور یہ خبر ان سے بیان کی اور ان سے درخواست کی کہ اس کام کا اختیار مجھے دے دو۔ چنانچہ امیر المومنین نے ان کو اختیار دے دیا۔

نیز فروع کافی کی اسی جلد کے صفحہ ۳۱۱ میں ہے:

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ أَمْرٍ تَوَقَّيْتُ عَنْهَا زَوْجَهَا أَيْنَ تَعْتَدُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا أَوْ حَيْثُ شَاءَتْ قَالَ بَلْ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ عَلِيًّا صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ لَمَّا مَاتَ عُمَرُ أُمِّ كُلْثُومٍ فَأَخَذَ بِيَدِهَا فَأَنْطَلَقَ إِلَيْهَا

یعنی سلیمان بن خالد سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک عورت کے متعلق پوچھا کہ جس کا شوہر مر گیا تھا کہ وہ کہاں عدت بیٹھے؟ اپنے کے گھر یا جہاں چاہے؟ امام نے فرمایا جہاں چاہے اس کے بعد فرمایا تحقیق علی رضی اللہ عنہ عمر کی وفات کے بعد کلثوم کے پاس گئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے آئے۔

یہ روایات اصول اربعہ میں جو کتاب سب سے مستند ہے اسی کی ہیں۔ ان تینوں روایات سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ نکاح ہوا تھا۔ اب رہا یہ کہ نکاح جبراً ہوا تھا جیسا وہ اوپر کی روایتوں میں بیان ہوا تو اس کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ یہ ضمیمہ محض راویوں کی خوش اعتقادی کا نتیجہ ہے۔

حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں

اب ایک بات رہ گئی یعنی حضرت ام کلثوم زوجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بنت علی ہونا تو ثابت ہو گیا مگر بنت فاطمہ ہونا ثابت نہ ہوا۔ لہذا اس کا ثبوت بھی ملاحظہ فرمائیے۔

تاریخ طرازند (جس کا مصنف مورخ ناسخ التواریخ کا خلف الرشید اور رکن سلطنت ایران تھا) کا ایک مستقل باب یہ ہے۔ حکایت تزویج ام کلثوم با عمر بن خطاب۔ یہ باب تاریخ مذکور مطبوعہ ایران صفحہ ۴۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۶۷ پر ختم ہوا۔ اسی باب کے چند منقولات ملاحظہ ہوں:

جناب ام کلثوم کبریٰ دختر فاطمہ زہرا در سرائے عمر بن خطاب بود از وے فرزند بیادر چنانکہ مذکور گشت و چون عمر قتل شد۔ محمد بن جعفر بن ابی طالب اور ادربالہ نکاح در آورد۔

جناب ام کلثوم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی بیٹی عمر بن خطاب کے گھر میں تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی اولاد بھی ہوئی جیسا کہ بیان ہو چکا اور جب عمر قتل کیے گئے تو محمد بن جعفر بن ابی طالب ان کو اپنے نکاح میں لائے۔

پھر تاریخ میں ایک بحث یہ کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی صاحبزادیوں کی اولاد بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس بحث میں لکھا ہے:

اما گفته اند از خصائص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ فرزند ان فاطمہ سلام اللہ علیہا یا آنحضرت نسبت دہند لا کن در دختران دخترش ایں عنوان را جاری نداشتہ اند پس جریان امر در حق ایشان بقانون شرع است دریں کہ ولد در نسب یا پدری رود و نہ بمادر نہمیں سبب گویند پدر شریف را اگر پدرش شریف نباشد۔ شریف نمی خوانند۔ پس فرزندان فاطمہ بہ رسول خدا منسوب و اولاد حسنین کریمین بایشان و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منسوب باشند و فرزندان خواہران ایشان نہ نب خاتون و ام کلثوم بہ پدران خود عبد اللہ بن جعفر بن عمر بن خطاب نسبت برند نہ بمادر نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم زیرا کہ ایشان فرزندان دختر بنت آنحضرت ہستند نہ فرزندان دخترش۔

”لیکن علماء نے کہا ہے کہ یہ خصوصیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ حضرت فاطمہ

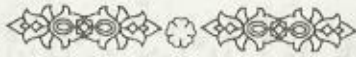
ﷺ کی اولاد کو آنحضرت ﷺ کی اولاد کہتے ہیں لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دختر کی دختر کے حق میں یہ مسئلہ جاری نہیں رکھا گیا ہے ان کے حق میں وہی عام حکم ہے جو قانون شرع کے موافق ہے کہ اولاد کا نسب باپ کی طرف سے لیا جاتا ہے نہ ماں کی طرف سے۔ اسی وجہ سے اگر کسی شخص کا باپ شریف نہ ہو تو اس کو شریف نہیں کہتے۔ پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد تو رسول خدا کی اولاد کہی جائے گی اور حسنین کی اولاد حسنین کی اور رسول خدا کی اولاد کہی جائے گی۔ اور حسنین کی بہنوں یعنی زینب اور ام کلثوم کی اولاد اپنے باپ عبد اللہ بن جعفر اور عمر بن خطاب کی طرف منسوب ہوگی نہ اپنی ماں کی طرف اور نہ رسول خدا کی طرف کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کی لڑکی کی لڑکی کی اولاد ہیں نہ آپ کی لڑکی کے لڑکوں کی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ نکاح غالباً اسی لئے کیا کہ یہ ایک واقعہ کی حیثیت اختیار کر کے تاریخ عالم میں ثبت رہے گا۔ واقعی اس نکاح نے تمام ساختہ و پرداختہ افسانوں کو خاک میں ملا دیا۔ کیونکہ اس نکاح سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مومن مخلص ہونا بھی ثابت ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اور ان کے درمیان کسی قسم کی رنجش و عداوت نہ تھی بلکہ باہم نہایت خوشگوار تعلقات تھے۔ بعض لوگ اس نکاح کے متعلق سخت حیران ہیں کہ کیا تاویل کریں۔ کوئی صاحب تو فرماتے ہیں کہ یہ نکاح جبراً ہوا تھا جیسا کہ کافی کی روایات میں ہے۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ام کلثوم بنت ابوبکر تھیں جن کا نکاح حضرت عمر سے ہوا تھا۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو اس میں کیا اہمیت تھی جو امام احمد ثنین نے اس کا ایک خاص باب قائم کیا۔ دوسرے یہ کہ امام جعفر صادق یہ کیوں کہتے کہ یہ شرمگاہ ہم سے غصب کی گئی۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بزور اعجاز ایک جہیہ کو شکل ام کلثوم مشکل کر کے حضرت عمر کے نکاح میں دے دیا اور اصلی ام کلثوم کی حضرت عمر کی زندگی میں بھی لوگوں کی نظر سے غائب

رکھا۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں مگر کوئی بات بنائے نہیں بنتی یہ نکاح واقعات قطعیہ میں سے ہے۔ جن سے مجتہدین نے مسائل شرعیہ کا استنباط کیا ہے۔ چنانچہ مسالک شرح شرائع الاسلام میں جو مشہور و مستند فقہ کی کتاب ہے لکھا ہے:

يَجُوزُ نِكَاحُ الْعَرَبِيَّةِ بِالْعَجَمِيِّ وَالْهَاشِمِيَّةِ لِغَيْرِهَا لَهَا شِمَّةٌ كَمَا زَوَّجَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ أُمَّ كُلْثُومَ مِنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ۔

عربی عورت کا نکاح عجمی مرد کے ساتھ اور ہاشمی عورت کا نکاح غیر ہاشمی مرد کے ساتھ جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی دختر ام کلثوم کا نکاح عمر بن خطاب کے ساتھ کیا تھا۔



تصریحات

صحابہ کرام کی آپس میں دوستی

حضرت علی کی خلفائے ثلاثہ سے دوستی و محبت

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں کے نام جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا دوسری بیبیوں کے طعن سے تھے۔ حضرات خلفائے ثلاثہ کے ناموں پر رکھے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے صاحبزادے ابوبکر و عمر و عثمان و میدان کر بلا میں شہید ہوئے۔ (جلاء العیون مترجم جلد دوم صفحہ ۳۸-۱۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منصوص نہ تھی

شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں اپنی خلافت کے منصوص نہ ہونے کا اظہار فرمایا ہے:

وَمِنْ خُطْبَةٍ لَهُ عَلَيْهِ إِسْلَامٌ لَمَّا أُرِيدُ عَلَى الْبَيْعَةِ بَعْدَ قَتْلِ عُثْمَانَ دَعُونِي وَالتَّمَسُّوا غَيْرِي فَإِنَّا مُسْتَقْبِلُونَ أَمْرًا لَهُ وَجُوهٌ وَأَلْوَانٌ لَا تَقُومُ لَهُ الْقُلُوبُ وَلَا تَبُثُّ عَلَيْهِ الْعُقُولُ وَإِنَّا الْأَفَاقُ قَدْ أَغَامَتْ وَالْمَحَاجَّةُ قَدْ تَنَكَّرَتْ وَاعْلَمُوا إِنِّي أَحْبَبْتُكُمْ رَكِبْتُ بِكُمْ مَا أَعْلَمُ وَلَمْ أَسْمَعْ إِلَى قَوْلِ الْقَائِلِ وَغَتَبِ الْعَائِبِ وَإِنِّي تَرَكْتُكُمْ لِي فَإِنَّا كَأَحَدٍ وَلَعَلِّي أَسْمَعُكُمْ وَأَطُوعُكُمْ لِمَنْ وَلِيْتُمُوهُ أَمْرُكُمْ وَأَنَا لَكُمْ وَزِيرًا خَيْرٌ لَّكُمْ مِنِّي أَمِيرًا۔

جناب امیر علیؑ کا خطبہ ہے۔ جب کہ آپ سے بعد قتل عثمان کے بیعت کی خواہش کی گئی مجھے چھوڑ دو اور میرے سوا کسی اور کو تلاش کرلو۔ اس لیے کہ ہمارا مستقبل ایسا ہے کہ اس میں طرح طرح کے فتنے ہیں۔ جن میں دل قائم نہ رہیں گے اور عقلیں بجانہ رہیں گی۔ مطلع غبار آلود ہو چکا ہے اور راستہ اجنبی ہو گیا ہے، خوب سمجھ لو کہ اگر تمہاری درخواست قبول کر لوں گا۔ تو پھر اپنے علم کے موافق تم پر حکمرانی کروں گا اور کسی کہنے والے کی بات یا کسی کی ناخوشی کی سماعت نہ کروں گا اور اگر تم مجھے چھوڑ دو، تو میں تم میں سے ایک کے مثل رہوں گا اور جس کو تم اپنا حاکم بناؤ شاید میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا اور (یاد رکھو) میرا وزیر ہونا تمہارے لیے زیادہ مفید ہے۔ میرے خلیفہ ہونے سے۔

جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے اس خطبہ میں اس امر کی وضاحت فرمادی کہ میری خلافت منصوص نہیں ہے کیونکہ اگر ان کی خلافت منصوص ہوتی، تو آپ یہ نہ فرماتے:

”جس کو تم خلیفہ بنا لو گے میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امامت نبوت کے ہم پلہ نہیں ہوتی اگر امامت نبوت کے ہم مرتبہ ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ نہ فرماتے:

”مجھے چھوڑ دو کسی اور کو خلیفہ بنا لو۔“

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں یہ بھی واضح فرمایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اب خیر نہیں رہی۔ فتنوں کا زمانہ شروع ہو چکا ہے۔

معصوم صرف انبیاء کرام ہیں

انبیاء کرام کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی اہلسنت کے اس عقیدہ کی تائید و توثیق فرمائی ہے۔ بلکہ

اپنے متعلق بھی یہ وضاحت کی ہے کہ میں بھی معصوم نہیں ہوں۔

فَارِنِي كَسْتُ فِي نَفْسِي بِفَوْقِي اِنْ اَخْطَى وَلَا اَمِنْ مِنْ ذَالِكَ مِنْ فَعَل - (نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۴۶۳)

میں اپنے نفس میں خطا سے بالاتر نہیں ہوں اور نہ اپنے نفس میں خطا کرنے سے بے خوف ہوں۔

صرف محبت باعث نجات نہیں

شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ صرف محبت ہی باعث نجات نہیں۔

سَيَهْلِكَ فِي صِنْفَانٍ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يَذْهَبُ بِهِ الْحُبُّ إِلَى غَيْرِ الْحَقِّ وَ مُبْغِضٌ مُفْرِطٌ يَذْهَبُ بِهِ الْبُغْضُ إِلَى غَيْرِ الْحَقِّ وَ خَيْرُ النَّاسِ حَالًا الْمُنْطِ وَالْأَوْسَطُ الْزَمُوهُ وَالزَّمُوا اسْوَادَ الْأَعْظَمِ فَإِنَّ يَدَ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَ أَيْكُمُ وَالْفِرْقَةَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دو طبقے میرے معاملہ میں ہلاک ہوں گے۔ ایک حد سے بڑھ کر محبت کرنے والا۔ اسے میری محبت امر ناحق کی طرف لے جائے گی اور ایک حد سے زیادہ بغض رکھنے والا اسے بغض ناحق کی طرف لے جائے گا۔ تم اسے

یہ جملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعدد سندوں سے بہ الفاظ مختلفہ منقول ہوا ہے۔

چنانچہ نہج البلاغہ کی جلد دوم کے ص ۲۵۴ میں ایک روایت ان الفاظ میں ہے۔

سَيَهْلِكَ فِي رَجُلَانٍ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ وَ بَاہِتٌ مُفْتَرٍ یعنی میرے بارے میں دو شخص ہلاک ہوں گے۔ ایک محبت کرنے والا حد سے بڑھ جانے والا اور دوسرا بہتان لگانے والا مفتری۔ اور اسی صفحہ میں ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

هَلَكَ فِي رَجُلَانٍ مُحِبٍّ كَمَالٍ وَ مُبْغِضٍ قَالَ یعنی میرے بارے میں دو شخص ہلاک ہو گئے۔ ایک محبت کرنے والا جو محبت میں زیادتی کرے..... دوسرا بغض رکھنے والا نفرت کرنے والا۔ تعداد اسناد و اختلاف الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بار بار اس مضمون کا اعلان فرمایا۔

لازم پکڑو اور سوادِ اعظم بڑی جماعت کے ساتھ رہو۔ بلاشبہ اللہ کا ہاتھ اس جماعت پر ہے خبردار تفرقہ اندازی سے بچتے رہنا۔

چنانچہ نہج البلاغہ کی جلد دوم کے صفحہ ۲۵۴ میں ایک روایت ان الفاظ میں ہے:
سَيَهْلِكَ فِي رَجُلَانٍ مُحِبٍّ مُفْرِطٌ وَ بَاہِتٌ مُفْتَرٍ
یعنی میرے بارے میں دو شخص ہلاک ہوں گے ایک محبت کرنے والا حد سے بڑھ جانے والا اور دوسرا بہتان لگانے والا مفتری۔

اور اسی صفحہ میں ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

هَلَكَ فِي رَجُلَانٍ مُحِبٍّ كَمَالٍ وَ مُبْغِضٍ

یعنی میرے بارے میں دو شخص ہلاک ہوں گے ایک محبت کرنے والا، جو محبت میں زیادتی کرے..... دوسرا بغض رکھنے والا، نفرت کرنے والا۔

تعداد اسناد و اختلاف الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بار بار اس مضمون کا اعلان فرمایا:

فَإِنَّ الشَّاذَّ مِنَ النَّاسِ لِلشَّيْطَانِ كَمَا إِنَّ الشَّاذَّ مِنَ الْغَنَمِ لِلذِّئْبِ
الْأَمِنْ دَعَى إِلَى هَذَا الشَّعَارِ فَاقْتُلُوهُ وَلَوْ كَانَ تَحْتَ عِمَامَتِي هَذِهِ۔

(نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۲۶۱ خطبات علی)

کیونکہ جو انسان جماعت سے الگ ہو جاتا ہے، وہ شیطان کے حصہ میں جاتا ہے جیسے گلہ سے الگ ہونے والی بکری بھیڑیے کا حصہ بنتی ہے، آگاہ ہو جاؤ، جو شخص تم کو جماعت سے الگ ہونے کی تعلیم دے اس کو قتل کر دینا اگرچہ وہ میرے اس عمامہ کے نیچے ہو۔

اس فرمانِ ذی شان سے واضح ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں غلو کرنے والے حق پر نہیں ہیں۔ نیز سوادِ اعظم ہی میں رہنے کی تاکید فرما کر یہ اشارہ فرمایا کہ جو

کے اس خط سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اہلسنت وجماعت وہی گروہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت جامعہ پر عمل کرے۔

ظاہر ہے کہ یہ کیفیت صرف اہلسنت وجماعت ہی کی ہے، چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اہلسنت وجماعت کی تعریف ان لفظوں سے فرمائی ہے۔
أَمَّا أَهْلُ الْجَمَاعَةِ فَآئِنَا وَمَنْ أَتَّبَعْنِي وَإِنْ قَلُّوا وَأَمَّا أَهْلُ السُّنَّةِ فَالْتِمَسْكَوْنَ بِمَا سَنَّهَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (احتجاج طبری صفحہ ۸۴)

اہل جماعت میں ہوں اور جو لوگ میری اتباع کریں اگرچہ وہ کم ہوں اور اہلسنت وہ لوگ جو ان طریقوں پر قائم ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے جاری کیا۔

دیکھئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر اہلسنت وجماعت کی حقانیت کو بیان فرمایا اور حضور اکرم ﷺ نے بھی اس بات کی نشاندہی فرمائی ہے۔

خصال ابن بابویہ مطبوعہ ایران جلد دوم صفحہ ۴۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً يَهْلِكُ إِحْدَاهُ وَتَسَبُعُونَ وَيَتَخَلَّصُ فِرْقَةً قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنْ تِلْكَ الْفِرْقَةُ قَالَ الْجَمَاعَةُ الْجَمَاعَةُ الْجَمَاعَةُ۔

بہ تحقیق میری امت ۷۲ فرقوں پر تقسیم ہو جائے گی ان میں سے ۷۱ فرقہ ہلاک ہو جائیں گے صرف ایک فرقہ نجات پائے گا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ وہ فرقہ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا جماعت جماعت جماعت۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم اور امیر معاویہ شہدائے کربلا کے سلسلہ میں امیر معاویہ کو بہت بدنام کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا

عقیدہ میرے متعلق سواد اعظم کا ہے۔ اسی کو اختیار کرو۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ جناب علی سے محبت ایمان کی نشانی ہے لیکن یہ محبت افراط و تفریط سے پاک ہونی چاہیے۔
جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ثَلَاثَةُ عَشَرَ فِرْقَةً مِنَ الثَّلَاثِ وَالسَّبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهَا تَنْتَحِلُ مَوَدَّتِي وَحُبِّي وَاحِدٌ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ النَّمَطُ لَاسُطُ وَالْأُخْرَى فِي النَّارِ۔ (احتجاج طبری صفحہ ۱۳۴)

تیرہ فرقے تہتر فرقوں میں سے ایسے ہوں گے جو سب کے سب میری مودت و محبت کا اعتراف کریں گے مگر ان تیرہ میں سے صرف ایک جنت میں جائے گا اور وہی ہے جو درمیانی حالت میں رہا اور بارہ فرقے دوزخ میں جائیں گے۔

جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے واضح فرمادیا کہ نجات پانے والا گروہ صرف وہ ہے جو میرے متعلق معتدل عقیدہ رکھے۔ نہ مجھے خدا کے مرتبہ پر پہنچائے اور نہ انبیاء کرام سے افضل و برتر قرار دے۔

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک اہم فیصلہ

مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اشتر نخعی کو آیہ مبارکہ
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ کی تفسیر میں لکھا:
فَالرُّدُّ إِلَى اللَّهِ الْإِخْلَافُ بِمُحْكَمِ كِتَابِهِ وَالرُّدُّ إِلَى الرَّسُولِ الْإِخْلَافُ بِسُنَّةِ الْجَمَاعَةِ غَيْرِ الْمُتَفَرِّقَةِ۔ (نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ ۹۶)

اللہ کی طرف لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کتاب کی محکم آیتوں پر عمل کیا جائے اور رسول کی طرف لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کی اس سنت پر عمل کیا جائے، جو سب مسلمانوں کو جمع کر دے، ان میں تفرقہ نہ ڈالیں۔

کہا جاتا ہے کہ اہلسنت وجماعت کا نام بعد میں گھڑ لیا گیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ

ہے کہ امیر معاویہ اہل بیت کے دشمن تھے۔ حالانکہ دشمن حیثیت سے ان کا دامن اس برائی سے ملوث نہیں۔

ملا باقر مجلسی جلاء العیون ان میں لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ بوقت رحلت یزید کو وصیت کر گئے تھے کہ:

لنأماہم حسین پس نسبت و قرابت او بحضرت رسالت میدانی داد پارہ تن آنحضرت ست و از گوشت و خون آنحضرت پروردہ ست و من میدانم کہ اہل عراق اور اہل سوائے خود خواہند بر دود یارے او نحو ہند کردو اور انتہا خواہند گزاشت اگر برا و ظفر یابی حقوق حرمت اور اہانتاس و منزلت و قرابت اور ابا حضرت رسالت پیداوار اور اکبروہ ہائے او مواخذہ مکن و روا بطے کہ من دیں مدت با او محکم کردہ ام قطع مکن و زہار کہ باو آسپے و مکروہے مرسان۔ (جلاء العیون جلد دوم صفحہ ۴۲۱-۴۲۲)

لیکن امام حسین پس ان کی نسبت و قرابت جناب رسالت سے تجھے معلوم ہے کہ وہ حضرت کے بدن کے ٹکڑے ہیں، انہیں کے گوشت و خون سے انہوں نے پرورش پائی ہے مجھے علم ہے کہ عراق والے ان کو اپنی طرف بلائیں گے اور ان کی مدد نہ کریں گے۔ تنہا چھوڑ دیں گے اگر ان پر قابو پالے تو ان کے حقوق عزت کو پہچاننا ان کا مرتبہ اور قرابت جو رسول سے ہے اس کو یاد رکھنا ان کے افعال کا ان سے مواخذہ نہ کرنا اور اس مدت میں جو روابط کہ میں نے ان سے مضبوط کیے ہیں اس کو نہ توڑنا اور خبردار ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینا۔

صاحب تاریخ التواریخ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو یہ وصیت فرمائی:

اے پسر ہوں باز آرد خونِ شستن را نیک پائے کہ چوں در حضرت حق شوی۔ خون حسین بن علی در گردن نہ داشتہ باشی کہ بیچ گاہ روئے آسائش دیدار نہ کنی و موبد و مغلد

فرسائش عتاب و عذاب بنی۔

اے بیٹا! ہوس نہ کرنا اور خبردار جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو۔ تو تیری گردن میں حسین بن علی کا خون نہ ہو، ورنہ کبھی آسائش نہ دیکھے گا اور ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا۔

پھر بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ، یہ حدیث سنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے پروردگار! اس شخص سے برکت لے لے، جو میرے حسین علیہ السلام کو حرمت میں کمی کرے۔“

اس بکفت و اور اغشی فرا گرفت۔

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا اور ان کو غشی آگئی۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ امیر معاویہ زبان سے کیا، اپنے قلم سے بھی امام حسین کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کو پسند نہ کرتے تھے۔ حالانکہ ان کو امام اپنے خط میں بہت کچھ برا بھلا لکھتے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک مرتبہ یزید اور عبداللہ نے ترغیب دی کہ آپ بھی ایسے ہی جواب دیجئے۔

معاویہ بخندید و گفت ہر دو تاں بخطا سخن کردید من در عیب حسین بن علی چہ سخن کنم و از مثل من کس ردانیست کہ از در باطل بہ عیب کسے سخن آغا دو مرد ماں بہ تکذیب او پر و از نند چگونہ عیب کنم حسین را کہ سوگند با خدائے دروئے موضع عیب بدست نشود و خواستم بسوئے اور مکتوب کنم و اورا بہ وعید تہدید روانہ دیدم و قمرع الباب لجان نہ کردم۔

معاویہ ہنسے اور فرمایا تم دونوں نے غلط کہا ہے میں حسین بن علی کا کیا عیب بیان کروں مجھ جیسے کو کب درست ہے کہ کسی کی غلط عیب جوئی کر کے دوسروں سے تکذیب کرائے۔ حسین کا عیب کس طرح کہوں کہ واللہ ان میں کوئی عیب میں نہیں پاتا۔ چاہتا تھا کہ ان کو تہدید آمیز خط لکھوں لیکن مناسب نہ سمجھا اور کوئی الجھن پیدا نہ کی۔

ناخ التوارخ میں ہے:

بالجملہ نسخے کہ برحسین علیہ السلام ناگوار باشد تحریر نہ کرد۔

الغرض ایسی کوئی بات جو امام حسین کو ناگوار خاطر ہو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ لکھی۔ (ناخ التوارخ جلد صفحہ ۷۸)

ادب و لحاظ کے علاوہ امیر معاویہ امام حسین کی خدمت بھی کرتے تھے۔

مقرر داشت کہ ہر سال ہزار ہزار درہم از بیت المال بہ حضرت اور بند و پیرون

ایں مبلغ ہموارہ خدمتش را بہ عروض و جواز متکاثرہ متواتر میداشت۔ (ایضا)

اور معاویہ کا معمول تھا کہ ہر سال ہزار ہزار درہم بیت المال سے امام کی خدمت

میں بھیجتے اس کے علاوہ بیش بہا تحفے تحائف بھی بکثرت روانہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ یمن کا خراج امیر شام کے پاس اونٹوں پر بار ہو کر جا رہا تھا۔ جب

مدینہ میں پہنچا تو سب مال خراج امام حسین نے ضبط کر کے اپنے اہل بیت اور احباب

میں تقسیم فرمادیا اور امیر معاویہ کو یہ خط لکھا کہ:

”اما بعد ملک یمن سے ایک قافلہ اونٹوں کا ہماری طرف گزر رہا جن پر مال، غبرو

خوشبو تمہارے واسطے لیے جا رہا تھا۔ تاکہ خزانہ دمشق میں داخل کرے۔ یا تمہارے

رشتہ دار کام میں لائیں چونکہ مجھ کو ضرورت تھی اس واسطے میں نے لے لیا۔ والسلام

امیر معاویہ نے جواب دیا:

اگر آں (قافلہ شتران) را ترک کردی تا بہ من آورند آں چہ بہرہ و نصیبہ تو بود

در بخت نہ داشتم لیکن گمان مے کنم اے برادر زادہ کہ ترا خیالات مدارات و مضافات

نیست و در زمان من بر تو صعب نمی افتد بر قدر و منزلت تو دانم و معفو میدارم۔

اگر آپ اونٹوں کا قافلہ مجھ تک آنے دیتے تو جو کچھ آپ کا حصہ ہوتا میں اس

سے دریغ نہ کرتا، لیکن میں خیال کرتا ہوں اے میرے بھتیجے آپ رواداری نہیں ہیں اور

جب تک میرے دم میں دم ہے آپ کو تکلیف نہ ہوگی۔ کیوں کہ میں آپ کی قدر

و منزلت کو جانتا ہوں اور آپ کو اس اقدام پر بھی معاف کرتا ہوں۔

حتیٰ کہ وہ لوگ جو شام میں جا کر امیر معاویہ کو برا بھلا کہہ کر سناٹے تھے امیر معاویہ

ان کی بھی خاطر تواضع اور مالی خدمت کرتے تھے۔

ناخ التوارخ میں ہے:

شیعان علی سفر شام مکیر دند معاویہ را بہ سب و شتم مے آزر و ند بایں ہمہ عطائے خود

را، از بیت المال مے گرفتند و بہ سلامت میرفتند۔

شیعان علی ملک شام کا سفر کرتے اور معاویہ کو برا بھلا کہہ کر سناٹے تھے باوجود

اس کے ان کے بیت المال سے عطیے لیتے اور صحیح سلامت واپس جاتے۔

غور کیجئے! امیر معاویہ یزید کو یہ وصیت کر رہے ہیں کہ ان کی تعظیم و توقیر کرنا

بوقت مصیبت ان کی مدد کرنا ان کی قربت رسول کا خیال رکھنا اور جو رابطہ میں نے امام

سے قائم کیا ہے تم بھی اس کو قائم رکھنا، اب اگر یزید اس وصیت پر عمل نہ کرے تو اس

میں امیر معاویہ کا کیا تصور؟

علاوہ ازیں امیر معاویہ اور امام حسین کے درمیان کوئی دشمنی نہ تھی۔ امیر معاویہ

اہل بیت کا انتہائی احترام کرتے تھے۔

ان تاریخی حقائق کے ہوتے ہوئے بھی امیر معاویہ کو بدنام کرنا کہاں کی دیانت

ہے؟

حضرت رقیہ و ام کلثوم

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم اور رقیہ حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر

سے تھیں، گو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ دونوں صاحبزادیاں حضرت خدیجہ کے

بطن سے حضور کی حقیقی صاحبزادیاں تھیں۔ جیسا کہ کتب معتبرہ سے ثابت ہے۔

لیکن اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ حقیقی صاحبزادیاں نہ تھیں، تو جب حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ سے نکاح فرمایا تو ان صاحبزادیوں کے حضور ﷺ سے سوتیلی والد ہوئے۔ تو ان کی ذمہ داری بھی حضور ﷺ پر آگئی۔ تو قابل غور بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کو تو یہ بھی گوارا نہیں ہو سکتا کہ کسی مسلمان کی لڑکی کا فریا منافق کے نکاح میں آئے۔ پر حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح میں ان دونوں کو کیوں دے دیا؟ حضور ﷺ کا اپنے اختیار سے دونوں صاحبزادیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینا ان کے مومن کامل اور متقی ہونے کی دلیل ہے۔

کیونکہ چاہے کوئی کیسا ہی گیا گزرا انسان ہی کیوں نہ ہو وہ بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی سوتیلی بیٹیاں کسی کا فریا منافق کے نکاح میں آئیں۔ چہ جائیکہ حضور سید المرسلین ﷺ کی ذات پاک۔

پھر غضب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو روایات تصنیف کی گئی ہیں وہ ایسی ہیں جن سے حضرت عثمان کی فضیلت کی نفی تو نہیں ہوتی۔ خود حضور اکرم ﷺ پر سنگین الزام عائد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ملا باقر مجلسی حیات القلوب میں لکھتے ہیں۔

حضرت جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ آیا حضور ﷺ نے اپنی دختر کا نکاح حضرت عثمان سے کیا، انہوں نے جواب دیا کہ ہاں،

پھر سوال ہوا کہ:

چوں دختر آنحضرت را شہید کرد باز دخترے دیگر داد حضرت فرمود کہ بلے۔

”جب حضرت عثمان نے حضور ﷺ کی پہلی صاحبزادی کو شہید کر دیا، تو پھر بھی حضور ﷺ نے دوسری کا نکاح ان سے کر دیا۔

حضرت جعفر صادق نے فرمایا ہاں

اس کے بعد یہ مضمون ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اونٹ کے کجاوہ کی لکڑی

سے حضرت رقیہ کو مار مار کر زخمی کر دیا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو تین مرتبہ اطلاع دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ظلم کی خبر پہنچائی مگر حضور ﷺ نے ایک نہ سنی۔ آخر جب انہوں نے چوتھی بار اپنی جان کے جانے کی اطلاع دی تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو لائیں۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو لائے تو:

حضرت دید کہ پشتش تمام سیاہ و مجروح گردیدہ است۔

حضور ﷺ نے دیکھا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی پشت سیاہ اور مجروح ہے۔

(حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۹۲، ۵۹۱)

پھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا انہی زخموں کی وجہ سے شہید ہو گئیں۔ جو حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ نے (معاذ اللہ) کجاوہ کی لکڑی سے ان کو پہنچائے تھے۔

(حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۵۹۱)

خدا کے لیے غور کیجئے یہ روایت تو تصنیف اس لیے کی گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

کو جابر و ظالم قرار دیا جائے۔ (معاذ اللہ) لیکن سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ کیسے

گوارا کیا کہ آپ کی صاحبزادی اتنی تکلیف میں ہوں اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ظلم و

ستم کی بار بار اطلاع دیں اور حضور ﷺ کچھ پرواہ نہ فرمائیں اور پھر لطف یہ کہ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کے ظلم و ستم کی وجہ سے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا شہید ہو جائیں۔ اور حضور ﷺ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی کا قصاص نہ لیں۔ بلکہ یہ فرمائیں کہ اگر میری اور بھی

کوئی صاحبزادی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی سے کرتا۔ ایک

عام انسان بھی اپنی بیٹی پر خواہ وہ سوتیلی ہی کیوں نہ ہو اتنے ظلم و ستم کے بعد خاموش

نہیں رہ سکتا۔ چہ جائیکہ وہ ہستی مقدس جو رحمۃ للعالمین ہے جو انہوں ہی پر نہیں، بلکہ

غیروں پر بھی ظلم و ستم برداشت نہیں کرتے۔ وہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی داد دے نہ فرمائیں

؟ کیا ان باتوں کا کوئی مسلمان حضور ﷺ کے متعلق تصور بھی کر سکتا ہے۔

الغرض حضور سید عالم ﷺ کا یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عقد میں دینا۔ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کامل الایمان مخلص مسلمان تھے اور حضور ﷺ ان سے خوش تھے۔ اگر معاذ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ کیفیت ہوتی جو روایت بالا میں بیان کی گئی ہے۔ تو یہ بالکل واضح بات ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پر اس قدر ظلم و ستم کو دیکھ کر حضور ﷺ کہیں نہ فرماتے کہ اگر میری اور بھی کوئی صاحبزادی ہوتی، تو اس کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی سے کرتا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق

بعض لوگ ان افراد کو منافق اور بے دین کہتے ہیں جنہوں نے جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔ خصوصاً امیر معاویہ کو تو وہ بہت ہی برا بھلا کہتے ہیں۔ اگر ایمان و دیانت سے غور کیا جائے تو اس کا فیصلہ خود حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کے ارشاد سے ہو سکتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک فرمان تمام شہروں میں جاری فرمایا اس مکتوب میں اپنے اور اہل صفین کے درمیان نزاع کی کیفیت ان الفاظ سے بیان فرمائی ہے اور ابتداء اس واقعہ کی یہ ہوئی کہ ہم اور اہل شام کا گروہ مقابل ہوئے۔

وَالظَّاهِرُ أَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِينَا وَاحِدٌ وَدَعَوَتُنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدٌ لَا نَسْتَزِيدُهُمْ فِي الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَالتَّصَدِيقِ بِرَسُولِهِ وَلَا يَسْتَزِيدُونَنَا فَا لَأَمْرٌ وَاحِدٌ إِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بَرِيٌّ۔

اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا رب بھی ایک نبی بھی ایک اور دعویٰ ہمارا اسلام میں ایک نہ ہم بڑھانا چاہتے تھے ان کو اللہ کے ساتھ ایمان اور رسول کی تصدیق میں نہ وہ ہم کو بڑھاتے تھے پس ہم دونوں کا معاملہ ایک تھا۔ مگر اس میں اختلاف پڑ گیا۔ خون

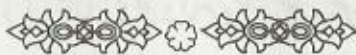
عثمان کی وجہ سے اور ہم اس سے بڑی ہیں۔

غور فرمائیے جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں جنگ صفین میں جو لوگ میرے مقابل آئے، وہ ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں ہمارے بالکل برابر تھے۔ ہم سب کا ایک ہی معاملہ تھا۔ وہ بھی مخلص مومن اور مسلمان تھے اور ہم بھی۔ مگر ہوا یہ کہ صرف خون عثمان کی وجہ سے ہم میں اختلاف پڑ گیا اور نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ خدا کے لیے سوچئے کہ شیر خدا کے فیصلہ کے بعد بھی کسی اور کے فیصلہ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نیز قرآن مجید میں فرمایا:

إِنَّ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا۔

”اور مومنوں کے دو گروہ لڑیں تو ان میں صلح کرادو پھر اگر وہ بغاوت پر اتر آئیں تو ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ باز آجائیں پھر ان مومنین کے دونوں گروہوں میں اصلاح کرادو۔ کیونکہ مومنین بھائی بھائی ہیں۔“ الخ
اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں اس سے مراد اصحاب جمل تھے۔ جو بصرہ میں جناب امیر سے لڑے تھے۔ انہوں نے ہی امیر پر بغاوت کی تھی۔ (کافی کتاب الروضہ)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تفسیری ارشاد سے بھی ثابت ہوا کہ اصحاب جمل اور اصحاب علی دونوں مومن تھے۔ جب قرآن دونوں فریق کو مومن قرار دے رہا ہے تو ایسی صورت میں اصحاب جمل کو منافق قرار دینا قرآن کی تکذیب ہے اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے از روئے قرآن مومن ہیں تو حضرت خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تو بطریق اولیٰ مومن و مسلمان قرار پائیں گے کیونکہ ان حضرات نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ نہیں کی۔



جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تلوار نہ اٹھانے کی کیا وجہ تھی؟

یہ سوال کیوں پیدا ہوا اور جناب امیر نے کس کے مقابلہ میں تلوار نہیں اٹھائی تو قصہ یہ ہے کہ حضرات خلفاء ثلاثہ حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے متعلق کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خلافت غصب کر لی۔ فدک کھا گئے۔ قرآن میں تحریف کر دی۔ متعہ جیسی عظیم الشان عبادت کو حرام قرار دے دیا۔ نماز تراویح جیسے بدترین گناہ کو رواج دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جبراً بیعت لی گئی۔ معاذ اللہ

تو اب سوال پیدا ہوا کہ اگر خلفائے ثلاثہ ان جرائم کے مرتکب تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف تلوار کیوں نہ اٹھائی۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفائے ثلاثہ کے خلاف میں کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ جس سے دو ہی نتیجے نکلتے ہیں۔

اول یہ کہ خلفائے ثلاثہ امام برحق تھے اور ان کے خلاف مظالم کے جو افسانے بنائے گئے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔

دوم یہ کہ باوجود قدرت کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تلوار نہ اٹھائی۔ اس نتیجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حرف آتا ہے کہ معاذ اللہ۔ آپ میں دینداری نہ تھی تمام دین اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتا دیکھتے رہے اور کچھ نہ بولے۔ چنانچہ اہلسنت پہلے نتیجے کو درست مانتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف باوجود قدرت کے تلوار نہ اٹھانا اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ جناب امیر کے نزدیک خلفائے ثلاثہ امام برحق تھے۔ لیکن یہ بات مخالفین صحابہ کو کیسے گوارا ہو سکتی تھی۔ اس لیے اس سوال کے جواب میں نہایت حیران و پریشان ہوئے

اور ہر ایک نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کوئی صاحب بھی حضرات ثلاثہ کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنگ نہ کرنے کی معقول وجہ نہ بتا سکا ہے اور نہ ان شاء اللہ العزیز بتا سکے گا۔ چنانچہ آج بھی جس کا جی چاہے کسی بڑے سے بڑے کے سامنے اس سوال کو پیش کر کے قدرت خداوندی کا تماشا دیکھ لے۔

بہر حال سوال یہ ہے

جناب امیر نے خلفائے ثلاثہ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی کچھ لوگ جناب امیر کے تلوار نہ اٹھانے کی ظاہری وجہ بتاتے ہیں کہ

”جب تک مددگار نہ ہوں جنگ واجب نہیں اور علی علیہ السلام کے پاس روزگار نہ تھے۔“ (اخبار صداقت صفحہ نمبر ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۱۹۵۶ء)

جواب (۱) اول: تو یہ بات کسی کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد ہی سب لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے طرفدار ہو جائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیزار؟ اور اگر یہ مان لیا جائے تو اس کی وجہ یہ ہی ہو سکتی ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت علی کو سیاست و تدبیر اور اہلیت امامت سے بالکل بیگانہ قرار دیا جائے۔ (معاذ اللہ)

ثانیاً۔ یہ بات چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بے یار و مددگار تھے۔ اس لیے آپ نے تلوار نہیں اٹھائی۔ کتب معتبرہ سے اس کی بھی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ نصح البلاغہ مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۴۵ پر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہی حضرت عباس اور ابوسفیان جو تمام مکہ والوں کے سردار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کرنے کو آئے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں کیا اور حسب ذیل جواب دیا:

وَلَقَمَةً يَغْصُ أَكْلُهَا وَهَجَتْنِي الثَّمَرَةُ لِغَيْرِ وَقْتِ أَيْنَاعِهَا كَالزَّارِعِ بِغَيْرِ أَرْضِهِ۔

یعنی: اور یہ (خلافت) ایک ایسا لقمہ ہے کہ حلق کو پکڑتا ہے اور پھل کو پختگی کے

وقت سے پہلے توڑنے والا اس شخص کی مثل ہے جو غیر کی زمین میں کاشت کرے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے اپنی خلافت سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ابھی میری خلافت کا وقت نہیں آیا۔ اس وقت میری خلافت کی کوشش کرنا ایسے ہے۔ جیسے پھل کو اس کے پکنے کے وقت سے پہلے توڑنا یا غیر ملک میں کھیتی کرنا۔

(۲) جناب امیر کے ساتھ جو انان بنی ہاشم اور قبیلہ بنو حنیف بھی تھا۔ یہ لوگ محبان اہلبیت اور جان نثاران علی تھے۔ جیسا کہ مجالس المؤمنین مطبوعہ طہران صفحہ ۵۲ پر مسطور ہے۔

(۳) سعد بن عبادہ جو انصار کے قبیلہ خزرج کا سردار تھا۔ وہ بھی جناب امیر کے ساتھ تھے اور سعد کی قوت کا یہ عالم تھا کہ خلفا ثلاثہ باوجود اپنی شان و شوکت کے سعد پر غلبہ نہیں پاسکتے تھے۔ (مجالس المؤمنین صفحہ ۱۰۱)

(۴) ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ جناب امیر کے شریک تھے۔ جیسے خالد بن سعید۔ مقداد۔ ابوذر سلمان۔ بریدہ السلی عمار۔ ابوالہشتم بن نہمان۔ عثمان بن حنیف، خزیمہ بن ثابت۔ ابی بن کعب۔ ابویوب انصاری۔ بلال۔ اسامہ بن زید۔ حضرت عباس مع تمام بنی ہاشم کے جن میں حضرت عباس کے چاروں صاحبزادے جعفر و حمزہ کی اولاد اور عقیل اور ان کی اولاد وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل تھی۔ قنبر اور جناب امیر کے چند غلام اور ان میں ہر ایک کے ساتھ دو چار آدمی تابعین میں سے تھے اور بنی ہاشم کے غلاموں کی بہت بڑی تعداد تھی حتیٰ کہ بارہ ہزار کا لشکر جبراً بھی جناب امیر کے ساتھ تھے۔ جن کو ملا باقر مجلسی نے محبت اہلبیت اور خالص مخلص لکھا ہے۔ نیز یہ تصریح بھی کی ہے کہ اس بارہ ہزار کے لشکر میں سے آٹھ ہزار خاص مدینہ میں موجود ہے۔

(حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۸۸)

اب قارئین کرام ان معتبر مذہبی کتب کے حوالوں کو بغور پڑھیں اور پھر دیانت و انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بے یار و مددگار تھے یا آپ کے ساتھ۔ بارہ بارہ ہزار کے لشکر جبراً بھی تھے۔ بہر حال ان حوالا جات سے اظہر من الشمس ہے کہ اگر جناب امیر لڑنا چاہتے تو اس وقت ایک بڑی جماعت ان کے ساتھ ہوتی۔ مگر کہا یہ جا رہا ہے۔ ”جناب امیر تو بے یار و مددگار تھے!“ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس عصاء موسیٰ علیہ السلام بھی تھا!

اور لیجئے ان مددگاروں اور جانثاروں کے ساتھ ساتھ جناب امیر کو اللہ عز و جل نے بڑے بڑے معجزے دے رکھے تھے۔ آپ کے قبضہ میں عصائے موسیٰ انگشتی سلیمان اور اسم اعظم بھی تھا۔ دیکھو اصول کافی صفحہ ۳۰ و صفحہ ۳۱۔ عصائے موسیٰ کو وہ اژدہا بنا سکتے تھے۔ انگشتی سلیمان کے ذریعہ تمام جنوں کی فوجیں مدد کے لیے آسکتی تھیں اور اسم اعظم کے ذریعہ دشمن کو جلا کر خاکستر کیا جاسکتا تھا۔

یہ تھی جناب امیر کی روحانی طاقت!

جناب امیر کی ذاتی طاقت

اس کے علاوہ جناب امیر کی شجاعت ذاتی اور زور قوت کا یہ عالم تھا کہ تن تنہا تمام عرب کا مقابلہ کر سکتے تھے چنانچہ بیچ البلاغت جلد دوم صفحہ ۱۲۴ میں ہے:

إِنِّي وَاللَّهِ لَوُ لَقِيتُمْ وَاحِدًا وَهُمْ طَلَاعَ الْأَرْضِ كُلِّهَا مَا بَالَيْتُ وَلَا اسْتَوْحَشْتُ۔

یعنی حضرت امیر (علی) فرماتے ہیں قسم بخدا اگر میں تن تنہا ان کا مقابلہ کروں اور وہ تمام روئے زمین بھر کر ہوں۔ تب بھی مجھے کچھ پرواہ نہ ہوگی اور نہ میں گھبراؤں گا۔ نیز حیات القلوب میں ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جناب امیر کو اپنے بستر پر سلا کر غار ثور میں تشریف لے گئے تو صبح کو تمام کفار قریش نے جمع ہو کر جناب امیر پر حملہ کیا۔ اس وقت تنہا جناب امیر نے لشکر کفار کو شکست دی اور غالب آئے۔

ان تمام حوالا جات سے اظہر من الشمس ہے کہ حضرت امیر بے یار و مددگار نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ حمین و مخلصین کی جماعتیں تھیں۔ آٹھ ہزار کا لشکر جرات تو صرف مدینہ میں ان کے پسینہ پر خون بہانے کے لیے تیار تھا اور اس پر مزید یہ کہ ان کی ذاتی شجاعت و قوت کا یہ عالم تھا کہ روئے زمین کے انسانوں سے وہ تنہا مقابلہ کر سکتے تھے۔ لیکن اس حقیقت کے ہوتے ہوئے بھی یہ کہا جا رہا ہے کہ ”جناب امیر بے یار و مددگار تھے“ اس لیے آپ نے تلوار نہیں اٹھائی۔

باطنی وجہ

خلفاء ثلاثہ کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تلوار نہ اٹھانے کی جو باطنی وجہ بیان کی جاتی ہے۔ وہ بھی بہت دلچسپ ہے کہتے ہیں:

پس ثابت ہوا کہ کافروں اور منافقوں کی پشتوں میں ”مومن“ اللہ کی امانتیں ہیں پس علی رضی اللہ عنہ ایسے نہ تھے کہ امانتوں کے نطفے سے پہلے ان کے آباؤ اجداد کو قتل کر

دیتے۔“ (اخبار صداقت صفحہ ۵۱۰ جنوری ۱۹۵۶ء)

جواب: جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفاء ثلاثہ کے خلاف تلوار اس لیے نہ اٹھائی کہ ان کو معلوم تھا کہ ان کی پشتوں سے مومن پیدا ہوں گے۔ لہذا مومنوں کے پیدا ہونے سے پہلے خلفاء کو قتل کر دینا اللہ کی امانتوں کو ضائع کرنا تھا۔ اس جواب سے ایک بات تو یہ ظاہر ہوتی کہ یہ لوگ حضرات خلفاء ثلاثہ کو منافق یا کافر سمجھتے ہیں۔

ثانیاً۔ جب ظاہری وجہ باطل ہو گئی تو اب باطنی وجہ کا بطلان تو بالکل بدیہی ہے کیونکہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ جناب امیر بے یار و مددگار نہ تھے تو ایسی صورت میں ان

کا فرض تھا کہ وہ باطل کو مٹانے کے لیے قدم اٹھاتے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ قرآن میں تحریف ہو رہی تھی اور دین کا نظام ہی درہم برہم ہو رہا تھا۔

مثلاً۔ اگر محض اس بنا پر تلوار نہ اٹھائی کہ ان سے مسلمان پیدا ہونے والے تھے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصحاب جمل و صفین سے کیوں خونریز لڑائیاں کیں۔ کیا اصحاب جمل و صفین سے کوئی دیندار پیدا ہونے والا نہ تھا۔

تلوار نہ اٹھانے کی سیاسی وجہ

جناب امیر کے تلوار نہ اٹھانے کی سیاسی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ:

”صادق آل محمد کی خدمت میں عرض کیا کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے قوم سے ہاتھ کیوں روکا آپ نے فرمایا اس خوف سے کہ کہیں وہ لوٹ کر کافر نہ ہو جائیں۔“

(صداقت ۵ جنوری ۱۹۵۶ء)

غور کیجئے کہ خود ہی کہتے ہیں کہ تمام صحابہ سوائے تین کے مرتد ہو گئے تھے (دیکھو روضہ کافی صفحہ ۱۱۵) اور پھر خود ہی کہتے ہیں کہ مرتد ہونے کا اندیشہ تھا۔ پھر یہ بات بھی کسی کی سمجھ میں آسکتی ہے؟ کہ جناب امیر لڑیں تو حضرت ابوبکر سے اور لوگ مرتد ہو جائیں اسلام سے! مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ اسی کو کہتے ہیں۔

جناب امیر نے تلوار نہ اٹھا کر رسول خدا کے کس حکم کی اطاعت کی

تو اس کے متعلق ایک روایت نقل کرتے ہیں جس کا متن یہ ہے کہ:

”حضرت امام موسیٰ کاظم سے روایت ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں خطبہ دیا تو فرمایا لوگوں کی ولایت کا میں سب سے زیادہ حقدار ہوں بعد وفات رسالت مآب زمین پر۔ اشعث ابن قیس کندی کھڑا ہوا اس نے کہا یا امیر المومنین! جب سے آپ عراق تشریف لائے ہیں آپ نے کوئی خطبہ ایسا نہیں پڑھا جس میں یہ

نہ کہا ہو کہ میں ہمیشہ مظلوم ہوں۔ حالانکہ میں سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ پس جب آپ والی ہوئے تو آپ نے تلوار سے مار کر اپنا حق کیوں نہیں لے لیا۔ امیر المومنین نے فرمایا اے ابن خمارہ تو نے بات تو کہی ہے۔ اب جواب بھی سن! خدا کی قسم مجھے بزدلی اور موت کی کراہت نے اس سے نہیں روکا تھا اور نہیں روکا اس سے مگر میرے بھائی رسول خدا کی وصیت نے رسول خدا نے مجھے خبر دی تھی کہ اے ابوالحسن! امت تیرے ساتھ غفریب غداری کرے گی اور میرا عہد توڑے گی۔ عرض کی! جب ایسا ہو جائے تو مجھے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تجھ کو اعوان و انصار مل جائیں تو ان کی طرف جلدی کر اور جہاد کر۔ اگر مددگار نہ ملیں تو اپنا ہاتھ روک لے اور اپنا خون بچالے حتیٰ کہ تو مظلوم ہو کر میرے پاس آئے۔“ (اخبار صداقت صفحہ ۵۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء)

جواب: اس روایت سے پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وفات رسول ﷺ کے بعد ہمیشہ مظلوم رہیں گے کیونکہ روایت میں ہمیشہ کا لفظ موجود ہے حالانکہ یہ بات واقعہ کے خلاف ہے کیوں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت و حکومت مل گئی تو اس وقت آپ مظلوم کہاں رہے۔ اس وقت تو آپ طاقت کے ذریعہ بھی اپنا حق حاصل کر سکتے تھے۔

(۲) دوسری بات اس روایت سے یہ معلوم ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکومت و خلافت حاصل کر لینے کے بعد بھی وہی احکام جاری رکھے۔ جو عہد خلفاء ثلاثہ میں جاری تھے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلفاء ثلاثہ کی امامت اور ان کے احکام حق تھے ورنہ طاقت کے باوجود خاموش رہنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان کے خلاف ہے

(۳) تیسری بات اس روایت سے یہ معلوم ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت و حکومت پالینے کے بعد بھی بے یار و مددگار رہے اور اعوان و انصار نہ ملنے کی وجہ سے

آپ نے ان احکامات کو جاری رکھا جو حضرات خلفاء ثلاثہ کے عہد میں جاری تھے اور حضور اکرم ﷺ نے ان کو وصیت بھی کر دی تھی کہ اگر مددگار مل جائیں تو تلوار اٹھانا ورنہ نہیں اور چونکہ آپ کو اپنے دور خلافت میں بھی مددگار نہ ملے۔ اس سے آپ نے نہ اپنا حق لیا اور نہ احکامات کو منسوخ کیا۔ جو خلفاء ثلاثہ کے عہد سے جاری تھے۔ غور کیجئے کہ یہ بات عقل میں آتی ہے؟ کوئی عقلمند اس کو قبول کر سکتا ہے؟ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت اور حکومت میں بھی بے یار و مددگار ہوں اور حق کی حمایت میں کوئی قدم نہ اٹھا سکیں۔

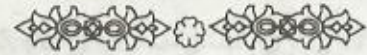
حقیقت یہ ہے کہ ان کو جس قوم کی روایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی قسم کی روایت تصنیف کر کے اپنے عوام کو بہلا دیتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جو روایت اصول کافی میں ہے وہ اس سے زیادہ دلچسپ ہے جس کا متن یہ ہے:

”حضور اکرم ﷺ نے جبریل کے کہنے اور خدا کے حکم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عہد لیا اور فرمایا کہ جو کچھ اس عہد نامہ میں ہے اس پر عمل کرنا۔ یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں ان سے محبت کرنا اور جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں ان سے عداوت رکھنا مگر اس کے ساتھ تم کو صبر بھی لازم ہے۔ اپنے غصہ کو ضبط کرنا، اپنی حق تلفی پر اپنے نفس کے غصب ہو جانے پر۔ اور اپنی آبروریزی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی اس وصیت کو قبول کیا اور کہا میں راضی ہو گیا۔ اگرچہ میری بے عزتی کی جائے۔ احکام دین معطل ہو جائیں قرآن پھاڑ دیا جائے اور کعبہ گرا دیا جائے اور میری داڑھی میرے سر کے خون سے رنگین کر دجائے میں ہمیشہ صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔“ (اصول کافی صفحہ ۱۷۳)

قارئین کرام! وصیت کی اس روایت کو بھی پڑھیے کہ غور کیجئے کہ ایسی غیر منقول اور بے ہودہ وصیت کہ چاہے قرآن نابود ہو جائے۔ کعبہ گرا دیا جائے اور اہلبیت کی آبرو

ریزی کی جائے مگر اے علی! تم کچھ نہ بولنا، شانِ رسالت کے منافی ہے یا نہیں۔

اور قطع نظر دوسری خرابیوں کے اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو تمام عمر صبر سے کام لینا چاہیے تھا اور پھر جمل و صفین کی لڑائیاں قطعاً ناجائز ہوں گی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان لڑائیوں کی وجہ سے یہ الزام قائم ہوگا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کو توڑا۔ ان کو صبر کی وصیت تھی۔ لیکن جمل و صفین میں انہوں نے صبر سے کام نہ لیا اور وصیت رسول کو پس پشت ڈال دیا۔ الغرض جناب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلفاء ثلاثہ کے مقابلہ میں تلوار نہ اٹھانے کی جو جو بات بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب عقل و نقل کی روشنی میں باطل ہو گئیں تو اب نتیجہ بالکل صاف ہے کہ جناب امیر نے اتنی مادی، روحانی اور ذاتی طاقتوں کے ہوتے ہوئے خلفاء ثلاثہ کے خلاف تلوار اس لیے نہیں اٹھائی کہ آپ کے نزدیک خلفاء ثلاثہ امام برحق تھے اگر یہ امام برحق نہ ہوتے تو جناب امیر باوجود طاقت کے کبھی خاموش نہ رہتے۔



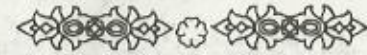
(رحمات فیض امام اہلسنت شیخ الحدیث حضرت ابو محمد، سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری رحمہ اللہ)

دل اپنا عشق احمد صلی اللہ علیہ وسلم مرسل سے پجور ہے

آنکھوں میں نور دل میں انہیں کا سرور ہے

دیکھو گری نگاہ سے نہ دیدار زار کو!

مولیٰ کا اس کے نام بہت دور دور ہے



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بصیرت

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

بصیرت، حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی رحمہ اللہ کی تحریر کردہ دینی مذہبی فقہی اخلاقی، اصلاحی، روحانی اور تاریخی مضامین کا روح پرور، فکر انگیز، ایمان افروز مجموعہ ہے۔ مختلف اہم دینی موضوعات پر کتاب و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں لکھے گئے مضامین کا یہ مجموعہ مسلمانوں کی دینی، مذہبی، اخلاقی، روحانی ضرورت کو پورا کرنے میں ان کا مدد و معاون ہوگا۔

بصیرت کے مطالعہ سے آپ کی وہ ذہنی تفتیشی دور ہو جائے گی۔ جس کے آپ خواہش مند ہیں اور بہت سے اہم اور ضروری دینی و مذہبی معلومات کا آپ کے ذخیرہ علم میں اضافہ ہوگا۔

دین و مذہب کا درد رکھنے والے احباب سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ دینی، مذہبی معلومات کے اس قابل قدر علمی ذخیرہ کے اپنے حلقہ اثر میں زیادہ سے زیادہ اشاعت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ جو احباب تبلیغ دین کی غرض سے بصیرت کو اپنے حلقہ میں تقسیم کرنا چاہیں، انہیں خاص رعایتی ہدیہ پر یہ کتاب مہیا کی جائے گی۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے طفیل لکھنے اور پڑھنے والوں کو اسلامی ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین

نیاز کیش

سید مصطفیٰ اشرف رضوی

حَیِّ بْنِ مُصْطَفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق
معاشرت سے متعلق قرآن و حدیث اور
فقہ حنفی کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کا
قابل مطالعہ مجموعہ

تالیف

علامہ محمد امجد احمد رضوی محدث لاہوری
امجدیہ مدرسہ کبریٰ دارالعلوم مرزا مظہر احسان لاہور
ستہ نمبر کتب خانہ

بہارِ کتب

صاحبزادہ مصطفیٰ اشرف موزی

جامعہ اسلامی دارالعلوم عربیہ اسلامیات لاہور



رضوان کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور

مشہور نعت خوانوں کا پڑھا ہوا
نعتیہ کلام

برکاتِ مدینہ

نعتوں کی ڈائری



مرتب:
صاحبزادہ عبدالرحمن رضافادری
مستقر مرکزی دارالعلوم عربیہ اسلامیات لاہور

پہلا حصہ
صاحبزادہ پیر سید مصطفیٰ اشرف موزی ایم اے
امیر مرکزی دارالعلوم عربیہ اسلامیات لاہور



رضوان کتب خانہ

گنج بخش روڈ لاہور

Cell: 0300-8038838, 0300-9492310
042-37114729

اس کتاب میں حج و زیارت، اسوۃ ابراہیمی عید الاضحیٰ اور اس کے مسائل و احکام، ماہِ حرم کے مسائل و احکام، واقعہ کربلا، عید میلاد النبی ﷺ، ماہِ ربیع کے برکات، شبِ برات، ماہِ شعبان کے فضائل، ماہِ رمضان کے مسائل، روزہ، تراویح عید الفطر، ایسی اسلامی تقریبات پر کتاب و سنت کی روشنی میں مفصل و مکمل بحث کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں خلفائے اربعہ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، حسنین کریمین رضی اللہ عنہما، ائمہ اثنین حضرت خدیجہ الکبریٰ و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما، سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ، حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ ایسے مشاہیر اسلام بزرگان دین کی تاریخ و وفات، سیرت و صورت، سوانح حیات اور ان کی قومی ملی کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔

اسلامی تقریبات

تصنیف و طبع

امیر اہل سنت شارب بخاری
علامہ سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری
(سند، امتیاز حکومت پاکستان)

پہلے
صاحبزادہ پیر سید مصطفیٰ اشرف رضوی ایم۔ اے
امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور



رضوان کُتب خانہ

گنج بخش روڈ لاہور

Cell: 0300-8038838, 0300-9492310
042-37114729

برکاتِ قومِ
فتاویٰ

سیدی البرکات
رحمۃ اللہ علیہ

فیوض الباسی

شرح صحیح بخاری

ملاتی قیامات

لمحنت کر

دینِ مصطفیٰ

روشنی

معراجِ نبوی

خصائصِ مصطفیٰ

روحِ ایمان

برکاتِ
نورانی ماری

مقامِ مصطفیٰ

کشفِ المحجوب

بصیرت

جنتی زیور

سیرِ مصطفیٰ

شانِ مصطفیٰ

ذوالان کتب خانہ



گنج بخش روڈ لاہور

فون: 0300-8038838 042-37114729

مسائل نماز